عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فقہی تربیت



تالیف

مولانا ڈاکٹر محمد عبد الحلیم چشتی

رئیس شعبہ تخصص علوم حدیث جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

اُستاذ الحدیث جامعۃ الرشید ○ احسن آباد ○ کراچی

الناشر

مکتبۃ الکوثر

عہدِ نبوی میں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فقہی تربیت

مولانا ڈاکٹر محمد عبد الحلیم چشتی

رئیس شعبۂ تخصص علوم حدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

استاذ الحدیث جامعۃ الرشید، احسن آباد، کراچی

مکتبۃ الکوثر

سلسلہ مطبوعات مکتبۃ الکوثر (۵)

کتاب: عہد نبوی میں صحابہ کی فقہی تربیت
(نتائج وثمرات)

مؤلف: مولانا ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی صاحب دامت برکاتہم العالیہ

تعداد جلد: 1

ضخامت کتاب: ۱۹۲ صفحات۔

سن طباعت: ۱۴۳۷ھ۔ ۲۰۱۶ء

تعداد: ۱۱۰۰ (گیارہ سو)

ناشر: مکتبۃ الکوثر، بلاک B، سیکٹر 11، مکان نمبر: 121، جامعۃ الرشید، احسن آباد، کراچی۔

0331-3298552

﴿ ملنے کا پتہ ﴾

مکتبۃ الکوثر: بلاک B، سیکٹر 11، مکان نمبر: 121، جامعۃ الرشید، احسن آباد، کراچی۔

مکتبۃ الشیخ: 445/3، بہادر آباد، کراچی۔

اسلامی کتب خانہ: بالمقابل جامع مسجد نیوٹاؤن، علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن، کراچی۔

مکتبہ سلطان عالمگیر: 5، لوئر مال بالمقابل گائے شاہ، اردو بازار، لاہور۔

مکتبہ سید احمد شہید: اردو بازار، لاہور۔

مکتبہ رشیدیہ: سرکی روڈ، کوئٹہ۔

دار الاخلاص: محلہ جنگی، پشاور۔

فہرست مضامین اجمالی

پیش لفظ

مسلمہ اصول ہے کہ کسی بھی معاملہ میں سمجھدار اور ناسمجھ، عالم اور غیر عالم برابر نہیں ہو سکتے۔ اسی وجہ سے ناسمجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ہر معاملہ میں سمجھدار اور جاننے والے شخص سے رجوع کرے اور اس کی بات پر اعتماد کرے؛ اسی وجہ سے ناسمجھ سمجھدار سے پوچھتا اور اس پر اعتماد کرتا ہے تاکہ دینی اور دنیوی نقصان سے بچتا رہے۔

دین وشریعت کے مزاج سے شناسی اور اس کے نصوص کے حقیقی معانی ومطالب کی گہری معرفت ہی کو "فقاہت" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ فقہاء کا تیار کرنا رسول اللہ ﷺ کے فرائض نبوت میں شامل تھا، اسی وجہ سے حضور ﷺ نے مکی زندگی ہی میں فقہاء کی ایک جماعت تیار فرمائی تھی، ان میں ایک حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ تھے، طبقات ابن سعد میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ انصار مدینہ نے سرکار دوعالم ﷺ کی خدمت میں خط لکھا تھا جس کہ الفاظ یہ تھے "ابعث الینا رجلاً یفقھنا فی الدین ویقرئنا القرآن" کہ ہمارے پاس ایک ایسے شخص کو بھیجیں جو فقہ کی تعلیم دے اور قرآن پڑھائے، تو نبی کریم ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو اس ادائیگی کے لیے مدینہ منورہ بھیجا۔

امام ترمذی رحمہ اللہ (المتوفی ۲۷۹ھ) نے اپنی کتاب "سنن الترمذی" میں جن فقہاء صحابہ کہ مذاہب کو نقل کیا ہے ان کی تعداد ۲۶ ہے، اور اسی طرح ۳۶ فقہاء تابعین اور ۱۸ تبع تبعین، اور ان کے بعد کے حضرات ہیں جن کہ مذاہب کا تذکرہ موصوف نے اپنی کتاب السنن میں کیا ہے۔ کل فقہاء ترمذی کی تعداد ۷۷ ہے۔ جن میں ایشیاء وافریقہ ویورپ تک کہ حضرات شامل ہیں، اس سے جہاں فقہاء کرام کے بلند وبالا مقام کا پتہ چلتا ہے، وہیں خیر القرون کہ ان فقہاء کرام کی بھی نشاندہی ہو جاتی ہے جن کہ مذاہب پر عمل کیا

جاتا تھا۔امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ طرز عمل ان کے اس تاریخی قول کا آئینہ دار ہے، جو انہوں نے فقہاء کی شان میں ارشاد فرمایا ہے: ''وھم اعلم بمعانی الحدیث۔''(۱) یعنی فقہاء ہی معانی حدیث کے زیادہ جاننے والے ہیں۔

''سنن الترمذی'' امام موصوف کا ایسا کارنامہ ہے جس کی نظیر صحاح ستہ کی دوسری کتابوں میں نہیں ملتی، اس کی وجہ اس کا اس خوبی کا جامع ہونا ہے جس سے صحاح ستہ کی دوسری کتب خالی ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس سے وہ لوگ بھی فائدہ اٹھاتے ہیں جن کو تقلید سے بیر ہے۔

راقم الحروف کی کتاب ''عہد نبوی ﷺ میں صحابہ کی فقہی تربیت'' اسی موضوع کو اجاگر کرنے کے سلسلہ میں کی گئی ایک ادنیٰ سی کوشش ہے، جو سب سے پہلے ''السیرہ عالمی'' شمارہ نمبر ۷، ربیع الاول ۱۴۲۳ھ، بمطابق مئی ۲۰۰۲ء میں دو قسطوں میں شائع ہوئی تھی، پھر اس کے بعد اس میں اضافے ہوتے رہے، اور اب یہ نئی طباعت اور جدید اضافوں کے ساتھ ہدیہ ناظرین ہے۔

جس کی تصحیح و کمپوزنگ کے جملہ مراحل شاگرد رشید ''سعد علی صدام بن امتیاز حسین'' (طالب علم شعبہ تخصص فی علوم الحدیث، سال اوّل، جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی) نے پایہ تکمیل تک پہنچائے، اور یہ ایسے کام بخوبی انجام دے سکتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ہر معاون کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عہدِ نبوی میں صحابہؓ کی فقہی تربیت

نتائج وثمرات

کتاب وحکمت کی تعلیم دینا رسول اللہ ﷺ کے فرائضِ منصبی میں سے تھا۔ چنانچہ آیت شریفہ میں ہے:

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۔(۱)

وہ انہیں کتاب الٰہی اور دانائی کی تعلیم دیا کرے۔

یہاں حکمت سے کیا مراد ہے؟ نامور مفسر و مجتہد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر حلال وحرام کا فہم، دینی تفقہ اور فقہی بصیرت سے کی ہے(۲)

یہی معنی حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے منقول ہیں، امام مالک رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی یہی معنی مراد لئے ہیں۔(۳) ائمہ اصول میں امام سرخسی رحمہ اللہ نے "اصول السرخسی" اور امام بزدوی رحمہ اللہ نے "اصول البزدوی" کے آغاز میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول "التفقہ فی الدین" (فقہی بصیرت) کو نقل کیا ہے۔

بعض مفسرین اور امام شافعی رحمہ اللہ حکمت سے "سنت" مراد لیتے ہیں۔(۴)

۱۔سورہ بقرہ: آیت ۱۲۹۔ ۲۔فتح القدیر للشوکانی: ۱/۲۶۲، تخریج احادیث اصول بزدوی لابن قطلوبغا: ص ۴۔

۳۔الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۲/۳۳۰۔ ۴۔الرسالہ للامام شافعی ص ۵۶۔

بعض نے دانائی مراد لی ہے۔(۱) یہی ائمہ لغت کے اقوال ہیں۔(۲) لیکن فقہی بصیرت، سنت اور دانائی وغیرہ سب قریب قریب ہم معنی ہیں سب کا حاصل تفقہ، رائے واجتہاد اور فقہی بصیرت کا استعمال ہے۔(۳)

خاتم رسل، محسن انسانیت ﷺ نے رائے واجتہاد اور فقہی بصیرت پر عمل کیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو کہ خیر امت ہیں کو کس طرح اس سے آشنا اور خوگر کیا۔ اور کس طرح اس کے استعمال کا طریقہ سکھایا، اور تربیت کی، کیسے ان میں مجتہدین تیار کیے، کس طرح اس طریقہ اجتہاد و رائے کی ہمت افزائی فرمائی اور کس انداز سے فقہی بصیرت اور رائے پر پسندیدگی اور مسرت کا اظہار فرمایا۔ کس طریقے سے شریعت میں رائے واجتہاد کی گنجائش و سہولت فراہم کی۔ اور کن کن نصوص و آیات نے اس سلسلے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی رہنمائی کی، مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم کس طرح اس سنت متوارثہ پر عمل پیرا و کاربند رہے، اسلامی قلمرو کس طرح اس کے ثمرات ونتائج سے بہرہ ور ہوتا رہا اور خیر امت نت نئے مسائل کا حل نکال کر راہ نجات حاصل کرتی رہی؟ اس کا جائزہ اس مختصر مقالے میں پیش کیا گیا ہے، یوں یہ مقالہ خیر القرون میں رائے واجتہاد اور فقہی بصیرت کے استعمال کی ایک تاریخی دستاویز کا جامع بن سکا ہے۔

آغاز بحث سے پہلے "تفقہ فی الدین" (فقہی بصیرت) کی اہمیت پر روشنی ڈالنا ضروری ہے۔

فقہی بصیرت اللہ تعالیٰ کی بہت پسندیدہ نعمت ہے جو وہ اپنے محبوب اور پسندیدہ بندوں کو عطا کرتا ہے، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ المتوفی ۷۲۸ھ فرماتے ہیں۔

"عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال: "من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین"(۴)

۱- ایضاً۔ ۲- بصائر ذوی التمییز فی لطائف الکتاب العزیز: ۴۹/۲۔ ۳- الجامع لأحکام القرآن ۱۳۱/۱۴

۴- صحیح البخاری: ص ۲۹/حدیث ۷۱، مسلم: ۱۲۸/۳، ترمذی: ۹۳/۱، ابن ماجہ: ۷۰/۱/حدیث ۲۲۰، دارمی: ۷۰/۱ حدیث ۲۲۵، احمد: ۱۱/۵/حدیث ۲۷۹۰۔

ولازم ذلک أن من لم یفقهه اللّٰه في الدین لم یرد به خیراً فیکون الفقه فی الدین فرضاً۔ والتفقه فی الدین: معرفة الاحکام الشریعة بأدلّتها السمعیة، فمن لم یعرف ذلک لم یکن متفقها فی الدین"(۱)

رسول اللہ ﷺ سے حدیث مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جس بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین میں تفقہ (فقہی بصیرت) عطا کرتا ہے۔

اس کا لازمی اثر یہ ہے کہ جسے تفقہ کی نعمت سے سرفراز نہیں فرماتا اس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ نہیں ہوتا، دین میں تفقہ بقدر استطاعت وطاقت ہر مسلمان پر فرض ہے۔

تفقہ فی الدین مجتہد کا شرعی احکام کو دلائل نقلیہ سے جاننا ہے۔ اس حقیقت کو جو نہیں سمجھتا وہ دین میں تفقہ، فقہی بصیرت یعنی خیر الٰہی سے بہرہ ور نہیں۔

تفقہ کی حقیقت

تفقہ فی الدین اور فقہی بصیرت ایسی عظیم نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے پسندیدہ بندوں کو عطا کی جاتی ہے، حسب تصریح امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس کا مصداق مجتہدین وفقہاء ہیں، اس لئے کہ وہ ہی دلائل نقلیہ سے مسائل کا استنباط کرتے اور تفریع مسائل کرتے ہیں، اس نعمت سے جو محروم ہیں وہ ان محبوبان الٰہی کو "اصحاب الرائے" کے نام سے پکارتے۔ اور کہتے ہیں:

"انه من أصحاب الرأی"

وہ اصحاب الرائے سے ہے ان الفاظ سے ان پر طعن وتشنیع کرتے ہیں۔

۱- مجموعہ فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ۲/ ۲۱۲

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے سطور بالا میں جس رائے کا ذکر کیا ہے وہ اسلام میں متواتر و متوارث سنت رہی ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

نصوص کے زیر اثر رائے کی قدر و قیمت

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے مذکورہ بالا بیان سے یہ حقیقت بھی عیاں ہو جاتی ہے کہ وہ رائے جو ہوئی وہوس پر قائم ہو "شر" ہے۔ شریعت میں لائق ملامت اور حرام ہے، اور وہ رائے جو دلائل نقلیہ اور شرعی نصوص کی روشنی میں مجتہد کی اجتہادی سرگرمی اور فقہی بصیرت سے معرض وجود میں آتی ہے، شریعت میں "خیر" سمجھی جاتی اور قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے، چنانچہ مجتہد اگر اپنی سعی میں کامیاب ہوتا ہے تو اسے دہرا اجر عطا کیا جاتا ہے اور اگر اس سے اس میں خطا ہوتی ہے تو بھی اس کی حق جوئی کی سرگرمی کے صلے میں اسے اکہرا اجر دیا جاتا ہے، چنانچہ "صحیح البخاری" میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اذا حكم الحاكم فاجتهد فاصاب فله أجران، وإذا حكم فاجتهد ثم أخطأ فله أجر"۔(۱)

حاکم و قاضی جب فیصلہ کرنے کا ارادہ کرے، اجتہاد کرے اور اپنے اجتہاد میں حق تک رسائی حاصل کرے۔ تو اس کے لئے دو اجر ہیں اور اس نے جب اجتہاد سے فیصلہ کیا اور اس میں اس سے چوک ہوئی تو اسکے لئے ایک اجر ہے۔

وہ فقہی بصیرت جس کا ذکر امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اوپر کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے پسندیدہ نعمت قرار دیا ہے۔

۱- صحیح البخاری:۱۳۰۳/۱۳ حدیث ۷۳۵۲، مسلم :۱۳۴۰/۱ حدیث ۱۷۱۶، ابوداؤد:۳۵۷۴/۸/۴، ابن ماجہ :۹/۲ حدیث ۲۳۱۴۔

''اجتہاد و قیاس اور فقہی بصیرت'' ایک حقیقت کی مختلف تعبیرات

یہ فقہی بصیرت اور اجتہاد و قیاس ایک حقیقت کی مختلف تعبیرات ہیں، چنانچہ اصطلاح میں اس عمل کو قیاس سے تعبیر کیا جاتا ہے فقہا اس کی تعریف یوں کرتے ہیں:

"القياس في الشرع تقدير الفرع بالأصل في الحكم والعلة"(۱)

حکم اور علت میں اصل کے ساتھ فرع کا اندازہ لگانا (اور ان میں باہمی مطابقت وموافقت کو) جانچنا پرکھنا شرع میں قیاس ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا ''رائے'' کے متعلق ارشاد اور اس کا مطلب:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے رائے کی مذمت میں حسب ذیل الفاظ منقول ہیں:

"أيّ أرض تقلني، أيّ سماء تظلني"

کہ میں اپنی رائے سے دین میں کوئی بات کہوں تو کونسی زمین مجھے جگہ دے گی اور کونسا آسمان مجھ پر سایہ فگن ہوگا؟

اس کا مطلب اور اس کی مراد یہ ہے کہ میں نص (صریح حکم اور دلیل) کی موجودگی میں اپنی رائے سے کوئی بات کہوں۔(۲)

یہی وجہ ہے کہ صریح دلائل کی موجودگی میں اجتہاد کرنا جائز ہی نہیں، نہ کبھی کسی نے ایسا کیا ہے اور نہ کسی کو ایسا کرنے کی شریعت میں اجازت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

"إياكم وأصحاب الرأي"۔(۳)

اصحاب الرائے سے بچو کہ انہیں حدیثیں یاد کرنے نے تھکا دیا، حدیثیں پوری

۱- فتح الغفار: لابن نجیم: ۸/۳ ۲- اصول الجصاص: ۲۳۵/۲ ۳- ایضاً: ۲۳۶/۲

یاد نہ کر سکے اور رائے زنی شروع کردی۔

اول تو یہ باتیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے صحیح طور پر منقول نہیں (اس لئے لائق توجہ نہیں) دوسری بات یہ ہے کہ اس سے مراد وہ اصحاب الرائے ہیں جو ہوائے نفسانی کا شکار ہوں اور بغیر نظیر و قیاس کے رائے دیتے اور کتاب و سنت اور اجماع کے اصول کو نظر انداز کرتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"لو کان الدین بالقیاس لکان باطن الخف اولی بالمسح من ظاهره"

اگر دین کا مدار قیاس پر ہوتا تو چمڑے کے موزے کے نچلے حصے پر مسح کرنا زیادہ بہتر ہوتا اوپر کے حصہ پر مسح کرنے سے۔

"انه رای رسول الله صلی الله علیه وسلم: یمسح ظاهر الخف دون باطنه"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چرمی موزے کے ظاہری حصہ پر مسح کرتے دیکھا نہ کہ باطنی حصے پر، اس لئے فرماتے ہیں: میں ظاہر حصہ پر مسح کرتا ہوں۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ شریعت کے اصول قیاس کے طریقہ سے ثابت نہیں۔ ان کا طریقہ توقیفی (رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بتایا سکھایا ہوا ہے) یہ اللہ کی طرف سے مقرر کیے گئے اصول ہیں۔(۱)

اور حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا وہ فرماتے تھے:

"قرّاؤکم و صلحائکم یذهبون، یتخذ النّاس رؤ ساً جهالا یقیسون الا مور برائهم "۔(۲)

تمہارے قاری اور نیک لوگ اٹھتے جا رہے ہیں لوگوں نے جاہلوں کو اپنا پیشوا بنا لیا جو رائے زنی کرنے لگے ہیں۔ (یہاں بھی مذمت ایسی رائے کی ہے جو اصول منصوصہ کے خلاف ہوتی ہے)

اسی بناء پر اصول منصوصہ سے ناواقف ہونے کے باوجود قیاس و رائے سے

۱- ایضاً۔ ۲- اصول جصاص: ۲/۲۳۶-۲۳۹

فیصلہ کرنا جائز نہیں۔(۱)

حضرت مسروق رحمہ اللہ کا یہ قول:

"لا اقیس شیئابشئی فانی اخاف ان تزل قدمی۔(۲)

میں ایک شئی کو دوسری شئی پر قیاس کرنے سے ڈرتا رہتا ہوں کہ میرا قدم (راہ حق سے) نہ ڈگمگا جائے۔ یہ کہنا احتیاط کی وجہ سے تھا۔

امام جصاص رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ بات مسروق رحمہ اللہ کی رائے وقیاس میں احتیاط اور غلطی سے بچنے پر دلالت کرتی ہے۔(۳)

علامہ ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے تھے:

"اوّل من قاس ابلیس"۔

سب سے پہلے جس نے نص کے مقابلے میں قیاس کیا وہ شیطان تھا۔(۴)

ان کا مقصد یہ جتانا تھا کہ نص کی موجودگی میں قیاس کرنا درست نہیں۔ حدیث و آثار میں جہاں رائے کی مذمت آئی ہے وہاں نصوص کے مقابلے میں رائے زنی کرنا ہے جو کسی طرح درست نہیں۔ اس سے مراد وہ آراء ہیں جن کی بنا فاسد قیاسات پر ہوتی ہیں نہ کہ شرعی قیاس پر۔

اجتہاد کا محل ومقام

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ نص (حکمِ صریح) جہاں نہیں ہوتی، یا نص میں کئی احتمال کی گنجائش ہوتی ہے ایسی جگہ مجتہد اجتہاد کرتا ہے اگر ایسا نہ ہو تو پھر کسی مجتہد کو اجتہاد کی حاجت نہیں، نہ کبھی کوئی مجتہد اجتہاد کی جرأت کر سکتا ہے، اور انہی جگہوں میں (جہاں نص نہ پائی جاتی ہو یا پھر نص میں کئی احتمال موجود ہوتے ہوں) مجتہد کی تقلید کی جاتی ہے۔(۵)

رائے کی مذمت میں جو اقوال بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے (سنن الدارمی وغیرہ

۱-ایضاً۔ ۲-ایضاً۔ ۳-ایضاً۔ ۴-ایضاً۔ ۵-ایضاً ۲۳۸۔

میں) پیش کیے گے ہیں، ان کا مطلب یہی ہے کہ "کتاب اللہ" اور "سنتِ رسول ﷺ" اور "اجماع" کے اصول سمجھنے اور یاد کرنے سے پہلے رائے کا استعمال کرنا اور اجتہاد کرنا صحیح نہیں۔(۱) انہی وجوہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے جب کوئی واقعہ اور نیا مسئلہ و حادثہ رونما ہوتا تو وہ حاضرین صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کا شرعی حکم معلوم کرتے اور اس کے متعلق یہ پوچھتے تھے کہ کسی کے پاس اس مسئلے میں کوئی حدیث موجود ہے؟ اس پر بس نہیں کرتے بلکہ اسلامی قلمرو میں بھی صحابہ کرام لکھ کر معلوم کرتے تھے۔ پھر اپنی رائے (اور فقہی بصیرت) سے فتویٰ دیتے تھے۔(۲)

اجتہاد کے ناگزیر ہونے کے دو سبب

اجتہاد کے قائل ہونے اور اس پر عمل کرنے کے دو سبب ہیں، پہلا سبب یہ ہے رسول اللہ ﷺ نے اس پر عمل کیا اور اسی طریقے پر صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعلیم و تربیت کی، صحابہؓ نے اسے سمجھا، اس پر عمل کیا، چنانچہ وہ اس کے قائل اور اس پر کاربند رہے وہ کسی نہ کسی درجہ میں اس صفت سے آراستہ تھے ان میں سے کسی کو اس کے جواز میں کسی قسم کا تامل و تردد نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں کوئی اجتہاد کا منکر نہیں پایا گیا۔

ہر ایک جانتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کا جانشین و خلیفہ اجتہادی رائے سے مقرر کیا، اور انہوں نے اجتہاد کو دین و شریعت کا رکن سمجھا، ایسا اگر نہ ہوتا تو اجتہاد اور اجتہادی رائے پر ان کا اتفاق نہ ہوتا۔

دوسرا سبب یہ ہے قیاس اور اجتہاد کرنے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع و اتفاق حجت ہے؛ اس لئے اس میں اختلاف کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں اور نہ اس سے باہر رہ کر کچھ کہنے کی اجازت ہے۔(۳)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اپنے اجتہاد کے متعلق یہ فرمانا:

"اقول فیها برأی فان یکن صواباً فمن اللّٰه وان یکن خطاءً فمنی"۔(۴)

(کلالہ وہ میت جس کی نہ اولاد ہو نہ ماں باپ کے متعلق) جو کہتا ہوں یہ میری

۱- ایضاً۔ ۲- اصول جصاص ۲/۲۲۹۔ ۳- ایضاً۔ ۴- ایضاً: ۲۳۰-۲۳۶۔

رائے ہے۔ اگر درست ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور اگر یہ غلط ہے تو یہ میری غلطی اور بھول چوک ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حق تک رسائی اور اس کی جستجو میں صواب وخطا دونوں کا احتمال ہوتا ہے، اس لئے مجھے یہ کہنے میں ذرا باک نہیں کہ یہ میرا قیاس ورائے ہے، یہ درست ہے تو حق کا فیضان ہے کہ اس نے مجھے حق کی راہ سجھائی، ورنہ میری خطا اور بھول چوک ہے۔ تاہم یہ اس کا کرم ہے حق کی جستجو اور کوشش کے صلے میں مجھے ایک اجر عطا کرتا ہے، یہ بات شریعت میں اجتہاد کے جواز اور پسندیدہ ہونے کی صریح دلیل ہے۔

مجتہدین کو قرآن کی ہدایت

قرآن کریم کی بہت سی آیتوں میں مجتہدین کو اجتہاد کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

"وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ج"(۱)

اور ان معاملات میں مشورہ لیتے رہیئے۔

یہ آیت تمام امور میں عام ہے اس لئے کہ اس "الامر" میں الف لام جنس کا داخل ہے اس میں حضور اکرم ﷺ سے خطاب ہے اور ہم بھی تبعاً اس کے مخاطب ہیں، اس لئے کہ اس میں ہمیں چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کی تخصیص کی کوئی دلیل نہیں ہے۔(۲)

دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

"فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ"۔(۳)

اور اگر تم میں اختلاف ہو جائے کسی چیز میں تو اس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹا لیا کرو۔

اس آیت میں ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ "ردّ الی اللّٰہ" سے مراد "کتاب اللہ" اور "ردّ الی الرسول" سے رسول اللہ ﷺ کی سنت کی طرف رجوع کرنا مراد ہے۔ اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت میں اس بات کا صریح حکم کو ڈھونڈنا ہے اور قرآن کا

۱- سورہ آل عمران، آیت ۱۵۹۔ ۲- الجصاص: ۲/۲۶۸۔ ۳- سورۃ النساء: آیت ۵۹۔

یہ حکم تمام باتوں کے لئے آیا ہے۔

اور تیسری جگہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَلَوْ رَدُّوْهُ إِلَى الرَّسُوْلِ وَإِلٰى أُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ"(۱)

اور اگر یہ لوگ اسے رسول اللہ ﷺ کے یا اپنے میں سے صاحبان امر کے حوالہ کرتے تو ان میں سے جو لوگ استنباط کی صلاحیت رکھتے ہیں اس کی حقیقت بھی جان لیتے۔

یہ بھی مذکورہ اوصاف کے ساتھ تمام باتوں میں عام ہے۔

اور چوتھی جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فَاعْتَبِرُوْا يٰاُولِي الْاَبْصَارِ" O(۲)

سو اے دانش والو (دانش مندو) عبرت حاصل کرو۔

یہ آیت بھی ہر بات کے لئے ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے تمام حوادث و واقعات میں جن کے متعلق قرآن و سنت کی صریح اور صاف ہدایت موجود نہیں، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کرنے کو درست قرار دیا۔

فقہی بصیرت نہ رکھنے والوں کا حکم

ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ "باب القول فی تقلید المجتهد" میں رقم طراز ہیں:

وہ عامی شخص جو اجتہاد کا اہل ہی نہیں ہے جب کسی نئی صورت حال سے دوچار ہو جائے تو اسے اہل علم سے پوچھنا چاہئے، اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے۔(۳)

چنانچہ فرمایا گیا ہے:

"فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" O(۴)

سو اگر تم لوگوں کو علم نہیں تو اہل علم سے پوچھو۔

۱۔ ایضاً: آیت ۸۳۔ ۲۔ سورۃ الحشر: آیت ۲۔ ۳۔ اصول الجصاص ۲/۳۷۱

۴۔ سورۃ النحل: آیت ۴۳، اصول جصاص: ۲/۳۷۱۔

اور دوسری جگہ حکم دیا گیا ہے:

"فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوْا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ "O(۱)

یہ کیوں نہ ہو کہ ہر ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلا کرے تا کہ یہ (باقی لوگ) دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں اور تا کہ یہ اپنی قوم والوں کو جب وہ ان کے پاس واپس آجائے ڈراتے رہیں، عجب کیا کہ وہ محتاط رہیں۔

یہاں امت مسلمہ کو پیش آنے والے واقعات وحوادث میں اہل علم کے قول کو قبول کرنے کا حکم ہے۔ چنانچہ امت مسلمہ کو صریح حکم دیا گیا کہ فقہاء کی ایک جماعت تیار کریں جو دینی امور میں ان کی رہنمائی کے فرائض انجام دے، چنانچہ امت مسلمہ کے فقہاء عہد صحابہ رضی اللہ عنہم (پہلی صدی) اور دور تابعین رحمہم اللہ اور اس کے بعد سے اب تک (چودہویں صدی ہجری تک) فقہی بصیرت سے امت مسلمہ کی برابر رہنمائی کرتے رہے ہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی فقہی تربیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیاس ورائے (فقہی بصیرت) کو خود بھی بعض مواقع میں استعمال فرمایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی نہایت سیدھے سادھے انداز سے اس طریقے کو سمجھایا اور اس کی تربیت کی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے گونا گوں شعبوں میں ان کی تربیت جس انداز سے کی اس کے کچھ نمونے ملاحظہ فرمائیں:

حج کی ادائیگی

ایک صحابی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ: میری بہن نے حج کرنے کی نذر مانی تھی، وہ حج نہ کر سکی اور مرگئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱- سورۃ التوبہ: آیت ۱۲۲۔

”لو كان عليها دين أكنت قاضيه؟ قال: نعم قال: فاقض دَيْنَ اللّٰهِ فَهُوَ احق بالقضاء “۔(۱)

تیری بہن پر اگر قرض ہوتا تو کیا تو اسے ادا کرتا؟ بولا: جی ہاں، فرمایا اس کو ادا کر، اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ اس کو ادا کیا جائے۔

یہاں حضور اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے قرض کو انسان کے قرض پر قیاس کیا، یہ علت دونوں میں موجود ہے۔ ان میں سے ہر قرض کی ادائگی ضروری ہے۔

اسی طرح خثعمیہ نامی ایک خاتون نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ میرے باپ پر حج ہے۔ لیکن وہ بہت بوڑھا ہے، سواری پر بیٹھ نہیں سکتا، کیا میں اس کی طرف سے حج کرسکتی ہوں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے، اس پر قرض ہوتا تو تم وہ ادا کرتی، تو کیا وہ کافی ہو جاتا؟ اس نے کہا: جی ہاں! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تو اللہ کا قرض ادا کرنا زیادہ ضروری ہے۔(۲) اس سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ نے ایک خاتون کو بھی فقہی بصیرت سے آشنا کردیا۔

میاں بیوی کی معاشرتی زندگی کا پہلو

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے کہا کہ میرے لیے مسجد سے چھوٹی کھجور کی جانماز اٹھا دو۔ میں نے عرض کیا کہ میں تو حائضہ ہوں، فرمایا: حیض آپ کے ہاتھ میں تو لگا ہوا نہیں ہے (اس کا دائرہ تو شرمگاہ تک محدود ہے)۔(۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جس وقت رسول اللہ ﷺ سے یہ بات عرض کی کہ ایک دن میں خوشی میں تھا، میں نے روزے کی حالت میں بیوی کا بوسہ لیا۔ (تو کیا روزہ جاتا رہا؟) رسالت مآب ﷺ نے فرمایا: غور کرو اگر تم نے روزے کی حالت میں منہ میں پانی لیا اور اسے منہ میں پھرایا، کلی کی تو کیا ہوگا؟ بولے یہ کوئی حرج کی بات نہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تو کیا ہوا؟ روزہ پانی کے حلق سے اترنے سے ٹوٹے گا؟ اگر پانی حلق سے

۱۔ صحیح البخاری: ۱۶۰/۴ رحدیث ۱۶۹۹۔ ۲۔ نسائی: ۳۲۳/۲، ابن ماجہ: ۳۰۹/۳ رحدیث ۲۹۰۹۔

۳۔ صحیح مسلم: ۲۰۰/۳ رحدیث ۶۸۶، ترمذی: ۱۷۷/۱، ابوداؤد: ۷۷/۱، نسائی: ۱۲۳/۱، ابن ماجہ: ۵۰/۱۔

نہیں اترا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا؟(۱) یہاں صرف بوسہ لینا یہ صورت ایسی ہے جیسے منہ میں پانی ڈالا اور وہ حلق سے نیچے نہ اترا۔ روزہ برقرار رہا، علت دونوں میں یکساں ہے لہٰذا جو حکم ایک کا ہے وہی حکم دوسرے کا ہوگا۔

حضرت ابوذرغفاری رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ عرض کیا کہ: مالدار صدقہ خیرات کرتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، وہ آخرت میں ہم سے بازی لے جائیں گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم بھی یہ کرتے ہو، میں نے عرض کیا وہ صدقہ کرتے ہیں، ہم صدقہ خیرات نہیں کرتے، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے لئے بھی صدقہ ہے۔ تمہارا راستے سے ہڈی اٹھانا صدقہ ہے، تمہارا گناہ سے بچنا بھی صدقہ ہے، تمہارا کمزور کی مدد کرنا صدقہ ہے، اور تمہارا اپنی بیوی سے ہمبستری کرنا صدقہ ہے، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہمیں اپنی شہوت پوری کرنے پر اجر دیا جاتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (ذرا غور کرو اور دیکھو) اگر تم یہی کام اپنی بیوی کے علاوہ کسی اور کے ساتھ کرتے تو کیا تم گنہگار نہ ہوتے؟ میں نے کہا: جی ہاں! تو کیا تم اپنے آپ کو شر و بدکاری سے نہیں روکتے ہو، اور کیا تم یہ نیک کام انجام نہیں دیتے ہو،(۲) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیاس کیا، قیاس کے طریقے سے ان کی رہنمائی فرمائی۔

معاملاتی پہلو

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت سفر میں کسی قبیلے میں اتری (اس زمانے میں ان میں مہمان داری عام تھی، لیکن انہوں نے نہیں پوچھا اور ہوٹل وغیرہ کا اس زمانے میں رواج نہ تھا) اتفاقاً اس قبیلے کے سردار کو سانپ نے ڈس لیا، انہوں نے اس کے علاج کی کوشش کی وہ سودمند نہ ہوئی، قبیلے کے کچھ لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ان لوگوں سے بھی پوچھو چنانچہ انہوں نے کہا کیا تم میں کوئی سانپ کے کاٹے کا علاج جانتا ہے؟ ان میں سے ایک بولا: جی ہاں، میں جانتا ہوں، میرے پاس اس کا منتر ہے لیکن تم نے ہماری مہمان داری نہیں کی۔ اس لئے ہم بھی بلا اجرت اس پر

۱- ابوداؤد: ۲۳۸۵، الحاکم: ۱/۴۳۱، الفتح الربانی: ۱۰/۵۲۔ ۳- مسند احمد: ۵/۱۵۴۔

جھاڑ پھونک نہیں کریں گے، چنانچہ بکریوں کے ایک مختصر گلے پر معاملہ طے ہوگیا وہ صحابی گیئے اور اس نے الحمد شریف پڑھ کر دم کیا، سانپ کا زہر اتر گیا، چنانچہ معاملے کے مطابق جو طے تھا وہ انہیں دیا گیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں بعض نے کہا یہ آپس میں تقسیم کرو، چنانچہ دم کرنے والا بولا: یہ ابھی نہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ کر تقسیم کریں گے، چنانچہ مدینہ آ کر یہ قصہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتایا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ الحمد اس کا منتر ہے؟ (انہوں نے عرض کی الحمد شریف ہر مرض سے شفا ہے) آپ نے فرمایا: تم نے ٹھیک کیا، باہم تقسیم کرو اور میرا بھی ایک حصہ رکھو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔(۱)

یہاں صحابی رضی اللہ عنہ نے منتر کے عوض اجرت کو دوا کے عوض و اجرت پر قیاس کیا، اس لئے کہ علت جامعہ دونوں میں عوض و اجرت ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اجتہاد کی وجہ سے دوہرے اجر ملنے کی خوشخبری سنائی ہے۔ مذکورہ بالا حدیثوں کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ نئے مسائل کے حل میں اجتہاد نہایت کامیاب ترین طریقہ ہے۔ نیز اس سے یہ حقیقت بھی عیاں ہوجاتی ہے کہ اصول فقہ کے مبادی عہد رسالت ہی میں ظاہر ہوگئے تھے۔(۲)

تجارت کے پہلو

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"لعن اللہ الیھود حرمت علیھم الشحوم فحملوھا فباعوھا"(۳)

یہودیوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور پھٹکار ہو، (گردے، آنتیں، اور معدے کی) چربیاں ان پر حرام کی گئی تھیں۔ انہوں نے اس کو چھوڑا نہیں، انہوں نے ان سے مالی فائدہ اٹھایا، انہیں بیچا اور بیچ کر اس کی قیمت کھائی۔

۱- صحیح البخاری: ص ۳۸۶/حدیث ۲۲۷۶، صحیح مسلم: ۱۴/۳۰۹/حدیث ۵۶۹۷، ترمذی: ۳/۵۷۹، ابوداؤد: ۳/۳۵۴/حدیث ۳۴۱۸، ابن ماجہ: ۳/۵۲۰/حدیث ۲۰۶۳، احمد: ۵/۱۵/حدیث ۱۹۸۵، الوصول الی قواعد الاصول: ۱۴-۱۶ ۲- ایضاً: ص ۱۶ ۳- صحیح البخاری: ص ۶۱۷/حدیث ۳۴۶۰

چربی سے فائدہ اٹھانا حرام تھا، انہوں نے اس کی قیمت سے فائدہ اٹھایا، یہاں دیکھئے "اکل" (کھانا) بھی (باعث) انتفاع تھا اور خرید و فروخت کر کے مالی فائدہ اٹھانا بھی (باعث) انتفاع ہے۔ دونوں میں علت (انتفاع) یکساں موجود ہے تو حکم بھی دونوں کا یکساں ہوگا۔

رنگ روپ کا پہلو

رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ: میرے یہاں کالا بچہ پیدا ہوا ہے، رسالت مآب ﷺ نے پوچھا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟ اس نے کہا جی ہاں موجود ہیں، رسول اکرم ﷺ نے پوچھا: ان کے رنگ کیسے ہیں؟ اس نے بتایا وہ سرخ ہیں، پھر سرور عالم ﷺ نے اس سے پوچھا: ان میں کوئی خاکی رنگ کا بھی ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں موجود ہے۔ سرور کونین ﷺ نے فرمایا وہ کہاں سے آیا؟ اس نے کہا ممکن ہے مادہ کی کسی رگ نے یہ رنگ کھینچ لیا ہو، رسالت مآب ﷺ نے فرمایا: تو تیرے بیٹے کا رنگ بھی کسی رگ نے کھینچ لیا ہوگا۔ (۱)

ملاحظہ فرمائیں! کہ حضور اکرم ﷺ نے باپ بیٹے کے رنگ روپ کے اختلاف کو اونٹ کے رنگ روپ کے اختلاف پر قیاس کیا۔ اور آدمی کو بھی فقہی بصیرت کا ڈھنگ بتا دیا۔ رسول اللہ ﷺ کے قیاس کا طریقہ یہ تھا کہ ایک چیز کا حکم اس کی نظیر سے پیش کر کے بتاتے تھے۔ (۲) چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے فرمایا! تمہاری بیوی سے ہمبستری کرنا بھی صدقہ و خیرات کا حکم رکھتا ہے۔ صحابی نے عرض کیا، کیا ہمیں اس شہوت کی تسکین کرنے میں بھی اجر دیا جاتا ہے؟ رسالت مآب ﷺ نے اس سے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر تم یہ کام اپنی بیوی کے علاوہ کسی اور عورت کے ساتھ کرتے تو تم گنہگار نہ ہوتے؟ (معلوم ہوا جہاں نکاح کی علت نہ پائی جائے گی وہاں یہ کام گناہ اور حرام ہوگا) صحابی نے عرض کی: جی ہاں ہوتا، تو حضور علیہ السلام نے فرمایا: کہ جس طرح تمہارا برے

۱۔ صحیح البخاری: ۱۲۱۴/۵۳۰۵، مسلم: ۱۳۷/۲، ابوداؤد: ۲/ ۲۸۱/ حدیث ۲۱۸۰، نسائی: ۳/۲۷۶، ابن ماجہ: ۳/۱۲۱۴، احمد: ۱۱۵/۱۲ ۲۔ ۱۔ اصول الجصاص: ۲/۲۲۳۔

کام پر مواخذہ اور گناہ ہوگا، اسی طرح خیر کے کام پر اجر ملے گا، تو دیکھئے رسول اللہ ﷺ نے قیاس کیا اور محظور کا مقابلہ مباح سے کر کے یہ واضح فرمایا کہ جس طرح محظور کے ارتکاب پر گناہ اور محاسبہ ہوتا ہے اس کے مقابل مباح کے ارتکاب پر اجر ملتا ہے۔

بصیرت کے استعمال کی ترغیب اور ہمت افزائی

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ دو آدمی جھگڑتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عمرو! ان کے درمیان فیصلہ کرو، انہوں نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ مجھ سے زیادہ اس کے حقدار ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں اس کے باوجود تم کرو، انہوں نے عرض کی، اس فیصلے پر مجھے کیا ملے گا؟ میں کیونکر فیصلہ کروں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم نے ٹھیک فیصلہ کیا تو تمہارے لئے دس نیکیاں ہیں اور اگر تم نے اجتہاد کیا اور اس میں بھول چوک ہوئی تو تمہیں ایک نیکی ملے گی۔(۱) اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح سے مروی ہے۔

شرائط صلح کی پابندی میں قیدی صحابی رضی اللہ عنہ کی فقہی بصیرت

صلح حدیبیہ ۶ ھ کے بعد حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ جب مشرکین کے چنگل سے بھاگ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آگئے تو صلح حدیبیہ کی شرط کے مطابق قریش نے دو آدمی حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں بھیجے۔ انھوں نے مطالبہ کیا کہ حضور اکرم ﷺ شرط کے مطابق ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو انہیں واپس کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں واپس کر دیا، جب مدینہ سے باہر نکلے تو ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے ان میں سے ایک کو جان سے مار ڈالا اور دوسرا بھاگ کر واپس حضور اکرم ﷺ کے پاس آ گیا اور ابوبصیر کے کارنامے کی خبر کی، ابوبصیر رضی اللہ عنہ 'سیف البحر' (ساحل سمندر) جا پہنچے۔ یہ خبر جب مکہ میں کچھ مسلمانوں کو لگی تو وہ بھی ابوبصیر رضی اللہ عنہ سے جا ملے اور مشرکین پر حملے شروع کئے۔(۲)

ابوبصیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی یہ کام اپنے اجتہاد سے کرتے رہے اور حضور اکرم

۱۔ مسند احمد: ۴/۲۰۵، اصول الجصاص ۲/۲۱۶۔ ۲۔ صحیح البخاری. تن رحدیث ۲۷۳۴۔

ﷺ نے ان پر کوئی نکیر اور گرفت نہیں کی، اس لئے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی حدود و شرائط سے خارج تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مکہ کے مسلمانوں کو جو خط ابو بصیر رضی اللہ عنہ سے جا ملنے کے لئے لکھا تھا، وہ حضور اکرم ﷺ کی اجازت سے نہیں لکھا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے اس پر نکیر بھی نہیں کی۔ اور نہ حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے کافر کو قتل پر کوئی گرفت کی اور نہ ان کے قیام ساحل سمندر پر کوئی باز پرس کی۔ اور نہ ان سے جا ملنے والوں پر کچھ گرفت کی، اس لئے کہ یہ ان کی فقہی بصیرت اور اجتہادی فکر و نظر کا نتیجہ و ثمرہ تھا اور درست تھا۔

نماز کی امامت میں فقہی بصیرت

اسی طرح حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: قوم و قبیلے میں جو سب سے بڑا قاری ہو وہ امامت کرے اور قرأت میں سب برابر ہوں تو جوان میں سنت کا سب سے بڑا عالم ہو وہ امامت کرے، چنانچہ دو ہم رتبہ اور قریب قریب میں سے ایک کو زیادہ بڑا قرار دینا اجتہادی امر ہے۔ (۱)

حضور اکرم ﷺ کا حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے یہ فرمانا کہ تم اپنی کمزور قوم کے امام ہو، لہٰذا کمزور ترین کی اقتدا کا خیال رکھو، کمزور ترین کو جاننا اجتہادی طریقے سے ہی ہو سکتا ہے۔ (۲)

نماز میں شک اور فقہی بصیرت سے فیصلہ

اسی طرح نماز کے اندر شک میں مبتلا شخص کا ظن غالب پر عمل کرنا یہ بھی ایک اجتہادی امر ہے۔

امان و سفارش

اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دودھ شریک بھائی عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے جن کے قتل کا حکم رسول اللہ ﷺ نے دے دیا پھر بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں

۱- اصول الجصاص: ۲/۲۲۳۔ ۲- ایضاً۔

''امان'' دی اور انہیں حضور اکرم ﷺ کے پاس لا کر بیعت کی سفارش کرتے رہے۔ رسول اللہ ﷺ اس خیال سے کہ اس کے قتل کا حکم دیا جا چکا ہے، کوئی اسے آ کر قتل کر دے کچھ دیر رکے رہے۔ جب کوئی آگے نہ بڑھا تو رسالتمآب ﷺ نے اس کو بیعت کر لیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ''امان دہی اور سفارش'' اجتہادی کام تھا۔ اس لئے رسول اللہ نے ان پر نکیر نہیں کی۔ (۱)

میدان جنگ میں انتخاب امیر

رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ موتہ ۸ھ میں لشکر روانہ کیا تو فرمایا تھا کہ جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب (۸ھ/ ۶۲۹ء) شہید ہو جائیں تو زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ۸ھ/ ۶۲۹ء) کو امیر لشکر بنایا جائے یہ شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ۸ھ/ ۶۲۹ء) کو امیر بنایا جائے، یہ بھی شہید ہو گئے تو لشکر بغیر امیر لشکر رہ گیا، یہاں صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور کی ہدایت کے مطابق اپنی فقہی بصیرت سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ۲۱ھ/ ۶۴۲ء) کو امیر لشکر چن لیا، جب دربار رسالت ﷺ میں اس امر کی اطلاع کی گئی تو رسول اکرم ﷺ نے اس اجتہادی عمل کو درست قرار دیا۔ (۲)

طہارت میں پانی پر قادر نہ رہنے میں فقہی رہنمائی

اسی طرح غزوۂ ذات السلاسل ۷ یا ۸ ہجری میں سردی کی رات، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو احتلام ہو گیا، چنانچہ انہیں یہ ڈر ہوا کہ اگر میں نہایا تو ہلاکت کا خطرہ ہے۔ تیمم کیا اور صبح (فجر) کی نماز پڑھائی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس واقعہ کا تذکرہ رسالت مآب ﷺ سے کیا، حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"یا عمرو اصلیت باصحابک وانت جنب؟"

اے عمرو! تم نے احتلام کی حالت میں اپنے رفقا کو نماز پڑھادی؟

(حضرت عمرو فرماتے ہیں) نہ نہانے کی میں نے وجہ بتائی اور عرض کیا: اللہ تعالیٰ

۱- اصول الجصاص: ۲/ ۲۲۳۔ ۲- ایضاً: ۲/ ۲۱۶۔

کا ارشاد ہے:

"وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا O" (۱)

حضور اکرم ﷺ نے اس قیاس شرعی کو تسلیم کیا، نہ کوئی گرفت کی نہ ملامت اور تقریراً آپ نے ان کے اجتہاد اور فقہی بصیرت کو درست قرار دیا۔ (۲)

یہاں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جان کی ہلاکت کی صورت کو تیمم کے جواز کی صورت پر قیاس کیا، کیونکہ دونوں صورتوں میں علت مشترکہ پانی کے استعمال پر قادر نہ رہنا ہے۔ (۳)

"عن ابی سعید رضی اللّٰہ عنہ: ان رجلین تیمما و صلیا ثم وجدا ماءً فی الوقت فتوضأ احدھما وعاد لصلاتہ ما کان فی الوقت ولم یعد الاخر فسالا النبی ﷺ، فقال للذی لم یعد: "اصبت السنۃ، واجزاتک صلاتک، وقال للآخر: "اما انت فلک مثل سھم جمع۔" (۴)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو شخصوں نے تیمم کر کے نماز پڑھی، پھر وقت کے رہتے رہتے پانی مل گیا، ایک نے وضو کر کے نماز لوٹائی اور دوسرے نے نماز نہیں لوٹائی۔ پھر ان دونوں نے بارگاہ رسالت ﷺ میں جا کر یہ واقعہ بیان کیا، اور اس کے متعلق حکم پوچھا۔

جس شخص نے نماز نہیں لوٹائی، اس سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم نے سنت کے مطابق عمل کیا، تم نے جو نماز پڑھی وہ کافی ہوگئی، اور دوسرے شخص سے فرمایا: تم کو ثواب کا پورا حصہ ملے گا، یعنی تم نے دونوں نمازوں کا ثواب پایا۔ (اس نے اپنے اجتہاد کی وجہ سے دوہرا اجر پایا۔

"عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنھما قال: قال النبیؐ۔ ﷺ۔ یوم الاحزاب: "لا یصلین احد العصر الا فی بنی قریظۃ" فادرک بعضھم العصر فی

۱- سورۃ النسآء: آیت ۲۹۔ ۲- ابوداؤد: ۱/۱۴۵/ حدیث ۳۳۴۔

۳- سنن نسائی: ص ۹۴۔ ۴- الاحکام: ۵/۹۴۔

الطريق، فقال بعضهم: "لا نصلّی حتّی تأتیها" وقال بعضهم: "بل نصلی لم یرد منّا، ذالک" فذکر ذالک للنبیّ۔ ﷺ فلم یعنّف واحد امنهم۔[1]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: آنحضرت ﷺ نے جنگ خندق ۵ھ میں (جب جنگ ہو چکی) یوں فرمایا: تم میں سے ہر شخص عصر کی نماز بنی قریظہ کے پاس پہنچ کر پڑھے۔ اب نماز کا وقت راستے میں آ پہنچا۔ تو بعض نے کہا: ہم تو جب تک بنی قریظہ کے پاس نہ پہنچ لیں گے۔ عصر کی نماز نہیں پڑھیں گے۔ اور بعض نے کہا: ہم نماز پڑھ لیتے ہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا یہ مطلب نہ تھا کہ ہم نماز قضا کریں۔ پھر بارگاہ رسالت ﷺ میں اس واقعہ کا ذکر آیا، رسول اللہ ﷺ نے کسی پر خفگی نہیں کی، ہر ایک کے عمل کو درست قرار دیا۔

عہدِ رسالت میں دو مجتہد کی اجتہادی آراء

نماز کا وقت راستے میں ہو گیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم میں دو جماعت ہو گئیں، ایک نے راستے میں وقت پر نماز ادا کی، اور دوسری جماعت نے بنی قریظہ میں وقت نکل جانے کے بعد نماز پڑھی، دونوں کا انداز فکر و نظر جداگانہ تھا۔ ایک جماعت کی رائے تھی کہ نماز وقت پر ادا کرنے کا حکم ہے۔ لہٰذا نماز کا وقت راستے میں آ گیا ہے۔ یہیں ادا کرنا ہے۔ دوسری جماعت نے بنی قریظہ میں جا کر نماز پڑھی۔ دونوں کی نیت بخیر تھی، اس لئے کسی پر ملامت و گرفت نہ کی۔

اس انداز تربیت سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ مجتہد ہر اس مسئلے میں جس میں نص موجود نہ ہو، اپنی فقہی بصیرت پر عمل کر سکتا ہے، اس کی رائے درست نہ ہو تو بھی اس سے مواخذہ نہ ہو گا، بلکہ حق کی جستجو میں جو کوشش کی ہے اس کا ایک اجر ملے گا جیسا کہ دوسری حدیث سے ثابت ہے۔[2]

قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ حدیث مذکور کی شرح میں رقم طراز ہیں۔

"قال الامام: هذا فيه دلالة، على أن الأثم موضوع في مسائل الفرع و ان كل

۱- ترجمہ مسلم، وحید الزمان: ۳/۱۳۶۔ ۲- ایضاً۔

مجتهد غير ملوم فيما اداه اجتهاده اليه، بخلاف مسائل الأصول، و كان هؤلا لـمّا تـعارضـت عـنـدهـم الأدلّة، فالأ مر بالصلاة لو قتها يو جب تعجيلها قبل وصـول بـنـي قريظة، و الأمر بألا يصلي إلاّ في بني قريظة يو جب التاخير، وإن فـات الـوقـت، فـايّ الـظـاهـريـن يـقـدم، وايّ العمومين يستعمل؟ هذا موضع الإشكال، وللنظر فيه مجال۔

قال القاضي : مفهوم مراد النبي ﷺ الاستعجال الى بني قريظه دون التواني ،لا قـصـد تـاخير الصلاة نفسها،فمن اخذ بالمفهوم، صلّى حين خاف فوات الـوقـت، ومـن اخـذ بـظاهر اللفظ أخّر،ففيه حجة للقائلين بالظاهر و للقائلين بالمفهوم۔" (۱)

اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ فروعی مسائل میں (مجتہد سے) بھول چوک معاف ہے۔اوران فروعی مسائل میں سے جس مسئلے (کے نتیجے) تک مجتہد کا اجتہاد اسے پہنچائے، اس میں مجتہد کی ملامت و گرفت نہیں کی جائے گی، اس کے برعکس اصول کے مسائل (یعنی عقائد) میں معاف نہیں۔اور یہ مذکورہ بالا صورت میں جب صحابہ رضی اللہ عنہم کی نظر میں دلائل متعارض ہوگئے، چنانچہ نماز کو اپنے وقت پر پڑھنے کا حکم تو اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ نماز کو بنی قریظہ پہنچنے سے پہلے ادا کیا جائے۔اور "ان لا يـصـلـي إلا في بـنـي قـريـظة" کا حکم اس امر کو چاہتا ہے، نماز وقت نکلنے کے بعد بنی قریظہ میں پڑھی جائے۔تو کون سے ظاہر کو مقدم کیا جائے، اور کون سے عام پر عمل کیا جائے؟

قاضی عیاض رحمہ اللہ المتوفی ۵۴۴ھ نے فرمایا: کہ رسول اللہ ﷺ کی مراد بنی قریظہ تک پہنچنے میں جلدی کرنا تھا، نفس نماز کو مؤخر کرنا اس میں سستی اور کوتاہی کرنا مراد نہ تھا۔جس نے اس مفہوم کو لیا، اس نے نماز کے فوت ہونے کے اندیشے سے نماز وقت میں ادا کی، اور جس نے ظاہر لفظ کو لیا، مقصود کو نہ سمجھا، اس نے اس پر عمل کیا اور نماز مؤخر کی، تو اس حدیث میں دونوں مکاتب فکر کی دلیل موجود ہے۔جو مکتب فکر ظاہری الفاظ پر عمل کا

۱- اکمال المعلم للقاضی عیاض: ۱۱۰/۶۔

قائل ہے۔ اس کی بھی دلیل ہے اور جو مکتبہ فکر منشا و مقصد (بات کی تہہ تک پہنچنے) کا خوگر ہے اس کی بھی دلیل موجود ہے۔

امام محی الدین یحییٰ بن شرف نووی رحمہ اللہ (المتوفی ۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

"امّا اختلاف الصحابة بالمبادرة بالصلوة عند ضيق وقتها وتاخيرها؛ فسببه أن أدلّة الشرع تعارضت عندهم، بأن الصلوٰة مامور بها في الوقت مع أن المفهوم من قول النبي ﷺ لا يصلين أحد الظهر او العصر الاّ في بني قريظة المبادرة بالذهاب اليهم وأن لا يشتغل عنه بشئي لا أنّ تاخير الصلوة مقصود في نفسه من حيث أنّه تاخير، فأخذ بعض الصحابة بهذا المفهوم نظراً الىٰ المعنىٰ لا إلى اللفظ، فصلّوا حين خافوا فوت الوقت، واخذ اخرون بظاهر اللفظ و حقيقته فاخروها ولم يعنّف النبي صلى اللّٰه عليه وسلم واحدا من الفريقين لانهم مجتهدون، ففيه دلالة لمن يقول بالمفهوم والقياس و مراعاة المعنى، ولمن يقول بالظاهر ايضاً، وفيه أنه لا يعنّف المجتهد فيما فعله باجتهاده، اذابذل وسعه في الاجتهاد[1]

نماز کا وقت تنگ ہو جانے کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم میں نماز اپنے وقت میں ادا کرنے، یا اس میں اتنی دیر کرنے میں کہ قضا پڑھنی پڑے اختلاف ہوا۔ اس اختلاف کا سبب یہ تھا کہ شریعت کے دلائل ان کی نظر میں متعارض ہو گئے۔ اس طرح کہ نماز کو وقت پر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور یہاں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد:

"لا يصلين احد العصر أو الظهر الا في بني قريظة۔" کا ایک مفہوم یہ ہے کہ: بنی قریظہ کی طرف جانے میں جلدی کی جائے اور جلدی پہنچنے میں کوئی چیز مانع نہ ہو، محض نماز کی تاخیر مقصود نہیں، لہٰذا بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے "لا يصلين" کے معنی و منشاء کے پیش نظر وقت پر نماز پڑھی اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے ظاہر الفاظ پر عمل کیا اور بنی قریظہ میں جا کر قضا نماز پڑھی۔

۱۔ صحیح المسلم: ۳۱۸/۱۲۔

اس واقعے کا ذکر جب بارگاہ رسالت میں کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان میں سے کسی فریق پر نہ گرفت کی نہ ملامت کی، کیونکہ ہر فریق نے اپنے اجتہاد پر عمل کیا، اس لئے اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوئیں، ا۔ظاہر الفاظ پر اور ۲۔قیاس رائے پر عمل کرنا۔ یہ دونوں درست ہیں۔

چنانچہ اس حدیث میں ان لوگوں کی بھی دلیل پوشیدہ ہے۔ جو اجتہاد و قیاس کے قائل ہیں۔ اور معنی و منشا کا خیال رکھتے ہیں، اور اس فریق کی بھی دلیل موجود ہے۔ جو ظاہر الفاظ پر عمل پیرا رہتے ہیں، نیز اس میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ مجتہد کو اس کے اجتہاد پر عمل کرنے میں ملامت نہیں کی جائے گی، جب کہ اس نے حق کی جستجو میں اپنی پوری کوشش کی ہو۔

اس حدیث پر علامہ ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ (۷۵۱ھ/۶۹۱ء) نے سیر حاصل بحث کی ہے وہ بھی ہدیہ ناظرین ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

فقہاء کا اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ ان دونوں فریقوں میں سے کونسا فریق زیادہ حق سے قریب رہا ہے؟ فقہاء کی ایک جماعت کہتی ہے: کہ جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے نماز مؤخر کی، وہ اپنے اجتہاد میں حق سے قریب رہے۔ اگر ہم ان کے ساتھ ہوتے تو ہم بھی ایسا کرتے، جیسے انہوں نے نماز مؤخر کی، اور ہم بھی بنی قریظہ میں نماز پڑھتے، تاکہ رسول اللہ ﷺ کے حکم: "لایصلین أحد العصر إلّا فی بنی قریظة" پر عمل پیرا رہتے فی الفور نماز نہ پڑھتے۔ اور فقہاء کی دوسری جماعت کا قول یہ ہے کہ "نہیں بلکہ جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے راستے میں اپنے وقت پر نماز پڑھی، انہوں نے سبقت کی فضیلت حاصل کی، اور دونوں فضیلتوں سے سرفراز ہوئے، اس لئے کہ انہوں نے رسالت مآب ﷺ کے حکم کو: ا۔جلد از جلد پورا کرنے کی کوشش کی۔ ۲۔ اور اپنے وقت پر نماز پڑھنے میں سرور کونین ﷺ کی رضا جوئی کی خاطر جلدی کی۔ ۳۔ پھر قوم کے ساتھ جا ملنے میں بھی جلدی کی۔ تو انہوں نے جہاد کی فضیلت بھی پائی، نماز کو اپنے وقت میں پڑھنے کی فضیلت بھی حاصل کی اور رسول اللہ ﷺ کی منشا کو پانے میں بھی کامیاب رہے یہ جماعت دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے زیادہ فقیہہ نکلی اور خاص کر یہ نماز تو عصر کی نماز تھی، اور یہی صلاۃ الوسطیٰ

ہے۔سرکاردوعالم ﷺ کی اس صحیح صریح نص کی وجہ سے، جس کا کوئی معارض نہیں اور اس میں کوئی طعن بھی نہیں۔نماز عصر کی پابندی کرنے اس میں تاخیر نہ کرنے، اس کو جلدی پڑھنے کے متعلق حدیث میں تاکید آئی ہے۔ اس کے متعلق یہ حدیث بھی موجود ہے کہ: جس سے یہ نماز فوت ہوئی تو گویا کہ اس کے اہل وعیال اور مال سب برباد ہو گئے، اس کا عمل ضائع ہوگیا۔پس جو تاکید اس نماز کے متعلق آئی ہے اس جیسی تاکید اس کے سوا دوسری نمازوں کے متعلق نہیں آئی۔بہر حال! جن حضرات نے نماز مؤخر کی ان کے پاس بھی نماز مؤخر کرنے کا عذر موجود ہے۔ان کو ایک اجر ملے گا، یہ اس لئے ملا کہ انہوں نے ظاہر نص کو نہیں چھوڑا ان کی غرض اس سے حضور ﷺ کے ارشاد کی تعمیل تھی اسی لئے حق تک رسائی میں ان دونوں میں سے کوئی بھی خطا کار نہیں۔ بلکہ جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے راستے میں نماز پڑھی، انہوں نے دونوں دلائل میں موافقت اور تطبیق کی دونوں فضیلتوں کو حاصل کیا۔ اس لئے ان کے لئے دوہرا اجر ہے اور دوسرے حضرات بھی اجر کے مستحق ہیں۔(۱)

آپ نے دیکھا کہ جس جماعت نے نماز وقت پر ادا کی، اس نے اپنی فقہی بصیرت سے گوناگوں اجر کس خوبی سے سمیٹے! یہی وہ راز ہے جس کی بناء پر فقیہ اللہ تعالیٰ کے یہاں محبوب وپسندیدہ ہوتا ہے۔اور اس کا مرتبہ دوسروں سے بلندتر رہتا ہے۔

رسول ﷺ کا اپنی رائے کے بجائے صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے سے اتفاق

"ان الامر لماضاق على المسلمين في حرب الاحزاب، وكان في الكفار قوم من اهل مكة عونالهم رئيسهم عيينه بن حصن الفزاري، ابوسفيان بن حرب؛ بعث رسول الله ﷺ الى عيينة وقال: ارجع انت و قومك ولك ثلث ثمار المدينة، فابى الّاان يعطيه نصفها فاستشار في ذلك الانصار و فيهم سعد بن معاذ و سعد بن عبادة رئيسا الأوس والخزرج فقالا: هذا شيئ أمرك الله به ام شيئ رأيته من نفسك قال، لابل رائي، رائيته من عند نفسي، فقالا: يا

۱- زادالمعاد:۳/۱۳۱۔

رسول اللّٰہ! لم ینالوا من ثمار المدینة الابشراء ،او بقری، فاذا اعزنا اللّٰہ بالاسلام لا نعطیھم الدنیہ، فلیس بیننا و بینھم الّا السیف، و فرح بذلک رسول اللّٰہ ﷺ، ثم قال للذین جاؤابالصلح : اذھبوا فلا تعطیھم الا السیف"(۱)

غزوہ احزاب میں مسلمانوں پر جب جنگ کا معاملہ پریشان کن ہوگیا اور کفار (کے لشکر) میں مکہ کے لوگوں کی ایک جماعت ان کی معاونت کر رہی تھی، ان کے سردار عیینہ بن حصن اور ابوسفیان بن حرب تھے تو رسول اللہ ﷺ نے عیینہ کے پاس (ایک قاصد) بھیجا اور فرمایا: تو اور تیری قوم (کفار کی نصرت و مدد چھوڑ کر) مکہ لوٹ جائے تو تمہارے لئے مدینہ کے پھلوں کا تیسرا حصہ ہوگا تو اس نے صاف انکار کر دیا، مگر یہ کہ آپ ہمیں آدھے پھل دیں تو آنحضرت ﷺ نے اس معاملے میں انصار سے مشورہ کیا اور ان میں قبیلہ اوس وخزرج کے سردار حضرت سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما بھی تھے تو ان دونوں نے حضور سے پوچھا اس بات کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے یا یہ آپ کی ذاتی رائے ہے؟ رسالت مآب ﷺ نے فرمایا: نہیں، بلکہ یہ میری اپنی رائے ہے۔ تو انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ان مکہ والوں کو خرید و فروخت اور مہمانداری کے علاوہ مدینہ کے پھل نہیں ملے، پھر جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کی بدولت عزت عطا فرمائی ہے تو ہم ان کو گئی گزری چیز بھی نہیں دیں گے، ہمارے اور ان کے درمیان میں (فیصلہ کن چیز) صرف تلوار ہے، رسول اللہ ﷺ (ان کی) اس بات سے مسرور ہوئے پھر ان کی طرف سے صلح کے لئے آئے ہوئے لوگوں سے کہا: جاؤ، اب تو اس کا فیصلہ تلوار ہی سے ہوگا۔

رائے کے استعمال پر اظہار مسرت

"عن رجال من اصحاب معاذ: أنّ رسول اللّٰہ ﷺ لمّا بعثه إلى اليمن، قال: كيف تقضي؟ قال: بكتاب اللّٰہ عزّوجل قال: فإن لم تجد في كتاب اللّٰہ؟

۱- کشف الاسرار علی اصول البزدوی: ۳/ ۲۱۰۔

فقال: بسنّة رسول اللّٰه ﷺ قال: فإن لم يكن في سنة رسول اللّٰه ؟ قال: اجتهد برأيي، فقال: الحمد لِلّٰه الذي و فق رسول رسول اللّٰه لِما يُحبّه رسول اللّٰه، فاجاز له الاجتهاد فيها لا نصّ فيه۔

ومن جهة أخرى: أنّ هذا الخبر قد تلقاه النّاس بالقبول، واستفاض، واشتهر عندهم من غير نكير من أحدمنهم على رواته، ولا ردّ له وايضاً: فإن اكثر أحواله أن يصير مرسلاً، والمرسل عند نامقبول۔ (۱)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے انہیں جب یمن کی طرف (قاضی بنا کر) بھیجا تو پوچھا! (جب تمہارے سامنے کوئی مسئلہ آئے گا) کیسے فیصلہ کرو گے؟ عرض کیا: کتاب اللہ کے موافق رسول اللہ ﷺ نے پوچھا! اگر کتاب اللہ میں نہ پاؤ؟ عرض کی! رسول اللہ ﷺ کی سنت کے موافق سرکار دو عالم ﷺ نے پھر پوچھا! اگر سنت رسول اللہ ﷺ میں نہ ملے؟ عرض کی اپنی رائے واجتہاد سے فیصلہ کروں گا۔ تو سرورکونین ﷺ نے (اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرتے ہوئے) فرمایا: جس نے رسول اللہ ﷺ کے رسول و سفیر کو ایسی چیز کی توفیق عنایت فرمائی جس کو اللہ کا رسول پسند کرتا ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسالت مآب ﷺ نے ان کو غیر منصوص مسائل میں اجتہاد کی اجازت عطا کی تھی، اس حدیث کو عوام وخواص میں قبول عام حاصل ہے اور اہل علم کے یہاں اس حدیث کو بغیر کسی انکار ورد کے شہرت حاصل ہے۔ نیز (یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے) کہ بیشتر راویوں نے اس حدیث کو مرسل روایت کیا ہے اور مرسل ہمارے (حنفیہ) کے یہاں مقبول اور قابل حجت ہے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے ارشاد "اجتهد برايي" کی تشریح "صحیح البخاری وسنن ابی داؤد" کے اولین شارح امام ابوسلیمان الخطابی رحمہ اللہ (المتوفی ۳۸۸ھ) نے ان الفاظ میں کی ہے۔

"قال الخطابي رحمه الله: "اجتهد برايي "يريد الاجتهاد في ردالقضية

۱- اصول الجصاص: ۲ر۲۲۲۔

من طريق القياس إلى معنى الكتاب والسنة ولم يرد الرائى الذى ى ينسخ له من قبل نفسه اويخطر بباله من غيراصل من كتاب أوسنّة وفى هذااثبات القياس وإيجاب الحكم به" (۱)

''اجتهد برائی'' سے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی مراد وہ اجتہاد ہے جس میں قیاس کے ذریعہ غیر منصوص مسئلے کے حکم کو قرآن وسنت کے معنی ومنشاء کی طرف لوٹایا جائے۔ نہ کہ اس رائے کی جو محض نفسانی خواہش کی بنا پر ظاہر ہو۔ یا وہ رائے جو قرآن وسنت کی اصل کے بغیر یوں ہی دل میں کھٹکنے لگے۔ یہ حدیث قیاس کے ثبوت کی دلیل ہے۔ نیز اس امر کی دلیل ہے کہ قیاس جو حکم ثابت کرتا ہے اس پر عمل کرنا ضروری اور واجب ہے۔

فقہاء محدثین میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ المتوفی ۷۷۴ھ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث کے ماخذ وسند کے متعلق۔ فرماتے ہیں۔

"هذا الحديث فى المسند والسنن باسناد جيد"۔ (۲)

یہ حدیث مسند احمد اور سنن کی کتابوں میں عمدہ سند کے ساتھ آئی ہے۔

فقہی بصیرت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آراستگی

اکثر و بیشتر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس صفت سے آراستہ تھے۔ اور اس صفت کے اصل مصداق رسول ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں، چنانچہ شیخ الاسلام ابواسحاق شیرازی شافعی رحمہ اللہ المتوفی ۴۷۶ھ 'طبقات الفقهاء' میں رقم طراز ہیں:

"اعلم أن أكثر أصحاب رسول الله ﷺ الذين صحبوه و لازموه، كانوا فقهاء وذلک أن طريق الفقه فى حق الصحابة (رضى الله عنهم) خطاب الله عزوجل، و خطاب رسول الله ﷺ وماعقل منهما وافعال رسول الله ﷺ وماعقل منها فخطاب الله عزوجل هو القران الكريم وقدأنزل ذلک بلغتهم على أسباب عرفوها وقصص كانوا فيها فعرفوا مسطوره، ومفهومه،

۱- معالم السنن: ۱۵۳/۴، بذل المجهود: ۳۰۹/۴۔ ۲- تفسیر القرآن العظیم: ۳/۱۔

ومنصوصه، و معقوله، ولهذا قال أبو عبيد في كتاب المجاز:

لم ينقل أن احداً من الصحابة رجع في معرفة شئي في القران الكريم إلى رسول اللّٰه (ﷺ) وخطاب رسول اللّٰه (ﷺ) أيضاً بلغتهم يعرفون معناه ويفهمون مبهمه وفحواه، وأفعاله هي التي فعلهامن العبادات و المعاملات والسير والسياسات وقد شاهدوا ذلک كله، وعرفوه، وتكرر عليهم، و بحروه ولهذ اقال ﷺ: "أصحابي كالنجوم بأيهم اقتديتم اهتديتم"؛ ولان من نظر فيما نقلوه عن رسول اللّٰه (ﷺ) من أقواله وتأمل ماوصفوه من أفعاله في العبادات وغيرها اضطروه إلى العلم بفقهم و فضلهم، غير أن الذى اشتهر منهم بالفتاوى والأحكام وتكلم في الحلال والحرام جماعة مخصوصة۔" (۱)

اس حقیقت کو سمجھو کہ رسول اللہ ﷺ کے اکثر و بیشتر صحابی جنہوں نے ان کی صحبت اٹھائی اور ان سے وابستہ رہے، وہ سب فقیہ ہیں اور بلاشبہ یہ فقہ (شریعت کو سمجھنے سمجھانے) کا طریقہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے حق میں آیا ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے خطاب (اوامر و نواہی) اور اس کے رسول ﷺ کے خطاب سے جو کچھ سمجھا اور رسول اکرم ﷺ کے افعال واعمال اور تقریرات (معرض بیان میں آپ ﷺ کے سکوت کرتے اور نکیر نہ کرنے) کو جانا اور سمجھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا خطاب ہے۔ وہی قرآن کریم ہے۔ جو انہی کی زبان میں ہے۔ ان اسباب کی وجہ سے جنہیں یہ جانتے اور ان واقعات کے تحت جو ان کے سامنے پیش آئے تھے یہ ان سے واقف تھے، اتارا گیا انہوں نے نوشتۂ وحی کو سمجھا اس کے منشا و مطلب کو سمجھنے کی کوشش کی اور اس کے صریح اور غیر صریح احکام کو سمجھا۔ ابوعبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ (المتوفی ۲۲۴ھ) نے "کتاب المجاز" میں کہا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی صحابی سے منقول نہیں کہ اس نے قرآن کی کسی صریح وصاف بات کو سمجھنے میں رسول اللہ ﷺ سے رجوع کیا ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا خطاب ان سے انہی

۱۔ طبقات الفقہاء للشیرازی: ص ۳۔

کی زبان میں ہوتا تھا وہ اس کے معانی و مطالب کو جانتے اس کی مبہم بات کو سمجھتے تھے۔ اس کے مقصد کو سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے وہ افعال جن کا تعلق عبادات، معاملات، عادات و اطوار اور سیاسات سے ہے، ان سب کا انہوں نے مشاہدہ کیا، دیکھا، اور سمجھا تھا۔ اور جو باتیں ان کے سامنے بار بار آتی تھیں ان کی گہرائی تک پہنچتے تھے، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان کے متعلق فرمایا تھا:

"اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔"

(میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ستاروں کی طرح رہنما ہیں، تم جس کی پیروی کرو گے رہنمائی پاؤ گے۔) اس لئے جو کوئی رسول ﷺ کے ان اقوال میں جو صحابہ رضی اللہ عنہم سے نقل کئے ہیں غور و فکر کرے گا اور ان اعمال میں جن کا تعلق عبادات وغیرہ سے ہے، نقل کرے گا وہ ان کے علم و دانش، فہم و فراست اور فضل و کمال کی طرف اپنے آپ کو مجبور و محتاج پائے گا، یہ اور بات ہے کہ ان اکثر و بیشتر صحابہ رضی اللہ عنہم میں وہ صحابہ جنہیں فتویٰ دینے، حلال و حرام سے بحث کرنے (اور مشکل مسئلوں کا حل نکالنے) میں شہرت حاصل تھی وہ ایک مخصوص جماعت تھی۔

عہد رسالت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد

عہد رسالت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی کل تعداد ایک لاکھ چودہ ہزار تھی۔[1] ان میں اکثر و بیشتر فقیہ تھے۔ لیکن ہر ایک صحابی رضی اللہ عنہ مجتہد نہ تھا اور نہ وہ اپنے آپ کو فتویٰ دینے کا اہل سمجھتا اور نہ اسلامی معاشرے میں اس کو اس اہم ذمہ داری کا اہل سمجھا جاتا تھا۔

مجتہدین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

اوپر تصریح گزر گئی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی مذکورۂ بالا تعداد میں وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن سے بکثرت فتویٰ منقول ہیں ایسے کل سات مجتہد صحابی ہیں، اور جن سے کم فتوے منقول ہیں وہ تیرہ مجتہد صحابیؓ ہیں۔ اور جن سے کم تر صرف ایک دو فتوے منقول ہیں وہ

1- مقدمہ ابن صلاح: ص ۲۹۳، تدریب الراوی: ص ۳۰۵، ارشاد طلاب الحقائق للنووی: ۲/ ۵۹۷

ایک سوبیس ہیں۔ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کل تعداد میں صرف سات ہی سربرآوردہ مجتہدین کو شمار کیا جائے، تو اس کا مطلب یہ نکلے گا کہ سولہ ہزار دوسو بچاسی صحابہ رضی اللہ عنہم کی عظیم جماعت میں صرف ہمیں ایک ہی عظیم ترین مجتہد نظر آتا ہے۔

اور اگر ان تیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جن کے فتوے کم منقول ہیں، ان سات عظیم ترین مجتہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جن سے بکثرت فتوے منقول ہیں، ملائیں تو ان عظیم ترین اور عظیم تر سب کی تعداد بیس ہو جاتی ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ پانچ ہزار سات سو کی جماعت میں ہمیں ایک مجتہد ملتا ہے۔

مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم کے تین طبقات

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ (المتوفی ۴۵۶ھ) نے عہد صحابہ میں مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم کے تین طبقات بیان کئے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

"لم ترو الفتيا في العبادات والاحكام الا عن مائة ونيف وثلاثين منهم فقط من رجل و امراة بعد التقصى الشديدة. (1)

عبادات اور ایسے مسائل میں جن میں شریعت کا حکم درکار ہوتا ہے فتوے دینے والے صحابی اور صحابیہ رضی اللہ عنہا کا بہت چھان بین کے بعد پتہ لگ سکا ہے۔ ان کی تعداد ایک سوتیس سے کچھ اوپر ہے، ان مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم کے تین طبقات ہیں۔

۱۔ پہلا طبقہ مکثرین صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے۔ یہ وہ ارباب فتویٰ صحابی ہیں جن کے فتووں کی سنن و آثار کی کتابوں میں اتنی کثرت اور بہتات ہے کہ انہیں یکجا کیا جائے تو ایک بڑی موٹی جلد تیار ہو جائے۔

۲۔ دوسرا طبقہ متوسطین صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے، یہ ان ارباب فتویٰ صحابہ رضی اللہ عنہم کا طبقہ ہے جن کے فتووں کی کتب و آثار و سنن میں اتنی کثرت نہیں کہ موٹی سی ایک کتاب بن جائے، لیکن اتنی تعداد ضرور منقول ہے کہ ان سے ایک رسالہ ترتیب پا جائے۔

۳۔ تیسرا طبقہ مقلین کا ہے یہ ان ارباب فتویٰ صحابہ رضی اللہ عنہم کا طبقہ ہے، جن

۱۔ الاحکام: ۹۲/۵۔

سے اتنے فتوے بھی حدیث کی کتابوں میں منقول نہیں کہ ایک چھوٹا موٹا رسالہ ہی بنایا جاسکے۔ بس ایک دو فتوے ہی منقول ہیں وہ ایک جز (ایک یا دو ہی ورق) میں آ جائیں گے۔

چنانچہ علامہ ابن حزم اندلسی رحمہ اللہ (المتوفی ۴۵٦ھ) لکھتے ہیں کہ:

مکثرین: کثرت سے فتوے دینے والے سات ارباب فتویٰ صحابی یہ ہیں،

ا۔ ام المومنین حضرت عائشہ، ۲۔ حضرت عمر بن الخطاب ان کے فرزند، ۳۔ حضرت عبداللہ ۴۔ حضرت علی بن ابی طالب، ۵۔ حضرت عبداللہ بن عباس، ٦۔ حضرت عبداللہ بن مسعود، ۷۔ حضرت زید بن ثابت ہیں اور یہ سات صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں، ان میں سے ہر ایک کے فتووں کو جمع کیا جائے تو وہ ایک موٹی کتاب بن جائے، ابوبکر محمد بن موسیٰ بن یعقوب بن امیر المومنین مامون رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے فتووں کو جمع کیا تو وہ بیس کتابوں میں یکجا ہوئے تھے، ابوبکر محمد رحمہ اللہ جس کا ذکر اوپر آیا ہے یہ علم فقہ وحدیث میں آئمہ اسلام میں سے ایک تھے۔

متوسطین میں وہ ارباب فتویٰ صحابی ہیں جن سے زیادہ فتوے منقول نہیں ان میں:

ا۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ، ۲۔ حضرت انس بن مالک، ۳۔ حضرت ابوسعید خدری، ۴۔ حضرت ابوہریرہ، ۵۔ حضرت عثمان بن عفان، ٦۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، ۷۔ حضرت عبداللہ بن زبیر، ۸۔ ابوموسیٰ اشعری، ۹۔ معاذ بن جبل، ۱۰۔ حضرت ابوبکر الصدیق، ۱۱۔ حضرت سعد بن الوقاص، ۱۲۔ حضرت سلمان فارسی، ۱۳۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں یہ تیرہ ۱۳ صحابی رضی اللہ عنہم ہیں۔

ان میں سے ہر ایک کے فتوے اگر جمع کئے جائیں تو ایک چھوٹا رسالہ بن جائے گا۔ انہی میں ا۔ حضرت طلحہ ۲۔ حضرت زبیر، ۳۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، ۴۔ حضرت عمران بن حصین، ۵۔ حضرت ابوبکرہ، ٦۔ حضرت عبادہ بن الصامت، ۷۔ حضرت معاویہ بن سفیان، رضی اللہ عنہم، کے ناموں کو اور بڑھایا جائے (تو ۱۳ میں سات کا اور اضافہ کیا جائے تو متوسطین کی تعداد بیس تک پہنچ جائے گی، اس صورت میں مکثرین اور متوسطین کی مجموعی

تعداد ستائیس ہو جائے گی)

باقی سب مقلین وہ صحابی ہیں، جن میں ہر ایک سے ایک دو فتوے ہی منقول ہیں اور وہ بہت مختصر ہیں، ورق دو ورق سے زیادہ نہیں ہیں، ان سے ہر ایک کے فتووں کا بہت مختصر جزء بنے گا۔ (۱) مکثرین، متوسطین صحابہ رضی اللہ عنہم کی مجموعی تعداد کے پیش نظر علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ المتوفی ۸۶۱ھ نے ”شرح فتح القدیر“ میں لکھا ہے:

”لا تبلغ عدة المجتھدین الفقھاء منھم اکثر بن عشرین“

صحابہ کرامؓ میں مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد بیس سے زیادہ نہیں پہنچتی ہے۔ (۲)

ان ارباب فتویٰ صحابہ کی مجموعی تعداد ایک سو سترہ سے کچھ اوپر ہے۔ ان میں ایک سو بیالیس ۱۴۲ رصحابی رضی اللہ عنہم اور بیس ۲۰ رصحابیہ رضی اللہ عنہن ہیں۔ جن کی مجموعی تعداد ایک سو باسٹھ ہی ہوتی ہے۔ (۳) لیکن ڈاکٹر احسان عباس، ڈاکٹر ناصر الاسد کی تحقیق اور شیخ احمد محمد شاکر رحمہ اللہ کی مراجعت کے ساتھ ابن حزم رحمہ اللہ کا تیسرا رسالہ ”اصحاب الفتیا من الصحابة و من بعد ھم علی مراتبھم فی کسرة الفتیا“ میں ارباب فتویٰ صحابہ وصحابیات کی مجموعی تعداد ۱۴۹ ر مذکور ہے، ہم نے اس نقل کو علامہ ابن حزم رحمہ اللہ کی ”الاحکام“ ص ۹۳ سے مقابلہ کیا، تو مجموعی تعداد تو درست نکلی لیکن صحابیات کی تعداد بیس نہیں بائیس ہے۔ اس لحاظ سے صحابہؓ اور صحابیاتؓ کی مجموعی تعداد ایک سو چونسٹھ ۱۶۴ ہو جاتی ہے۔

یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ مسلم معاشرے میں جب کبھی اور جہاں کہیں

۱۔ الاحکام: ۹۲/۵۔ (ولہ) الرسالة الثالثة، اصحاب الفتیا من الصحابة و من بعد ھم علی مراتبھم فی کثرة الفتیا: ۳۱۹ اس رسالے میں ابن حزم نے ارباب فتویٰ کی مجموعی تعداد ایک سو باسٹھ بیان کی ہے۔ ان میں ۱۴۲ ر مرد اور ۲۰ خاتون ہیں۔

مکثرین سات، اور متوسطین ۱۳ بیان کئے ہیں باقی سب مقلین ہیں، یہ رسالہ سید کردی حسن کی تحقیق سے دار الکتب العلمیہ نے ۱۳۵۱ھ میں بیروت سے شائع کیا ہے۔

۲۔ شرح فتح القدیر: ۳۳۰/۳/۱۔ ۳۔ ایضاً، اصحاب الفتیا: ص ۱۹۔

نت نئے مسائل پیش آئے، اکثر و بیشتر انہی سات اکابر مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم میں کسی نہ کسی کے پاس جا کر مسئلہ کا حکم، اس کا حل، اور جواب پوچھا جاتا تھا، اور جس سے معلوم کیا جاتا وہ اپنی مجتہدانہ بصیرت سے کبھی فوراً جواب دے کر سائل کو عمل کا راستہ بتاتا تھا، جیسا کہ کسی نے میراث کا ایک نہایت پیچیدہ مسئلہ دوران خطبہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا، اور آپ رضی اللہ عنہ نے اسی وقت اس کا حل بتایا وہ جواب آج بھی ''مسئلہ منبریہ'' کے نام سے مشہور ہے،

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۰ھ میں یمن کا قاضی بنا کر بھیجا۔ (ایک دفعہ) وہاں کے لوگوں نے شیر پکڑنے کے لیے ایک گڑھا کھودا، اور اس میں بانس وغیرہ لگا کر اوپر کپڑا ڈال دیا، شیر اس میں گرا، شیر کو دیکھنے کے لیے گڑھے کے کنارے لوگوں کی بھیڑ ہو گئی جس کی بنا پر ایک آدمی گڑھے میں گر پڑا، اور گرتے گرتے ایک دوسرے آدمی کو پکڑا، اس دوسرے آدمی نے تیسرے کو پکڑا اور تیسرے نے چوتھے کو پکڑا، یہاں تک کہ چار آدمی اس طرح اس میں گرے۔ شیر نے ان پر حملہ کر کے ان کو کھالیا، یہ صورت حال دیکھ کر اوپر سے ایک آدمی نے نیزہ مار کر شیر کو مار ڈالا۔ مقتولین کے اولیاء آپس میں جھگڑنے لگے اور تلواریں تک نکال لیں، اس موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور فرمایا کہ: کیا تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں قتل وقتال کرنا چاہتے ہو؟ میں تمہارا فیصلہ کرتا ہوں، اگر تم سب اس پر راضی ہوئے تو فبہا، اور اگر سب راضی نہ ہوئے تو تم میں سے کوئی دوسرے کو کچھ نہ کہے یہاں تک کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے جاؤ، وہی تمہارے درمیان فیصلہ فرمائیں گے، جن قبیلوں نے گڑھا کھودا تھا ان سے دیت کا چوتھائی حصہ، تہائی حصہ، آدھی دیت اور پوری دیت جمع کرو، پہلے مقتول کے لیے دیت کا چوتھائی حصہ ہوگا کیونکہ اس نے اپنے اوپر والے تین شخصوں کو ہلاک کیا، دوسرے مقتول کے لیے دیت کا تہائی حصہ، تیسرے کے لیے آدھی اور چوتھے کے لیے پوری دیت ہوگی۔ وہ لوگ اس فیصلے پر راضی نہ ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مقام ابراہیم کے پاس تشریف فرما تھے، ان لوگوں نے اپنا واقعہ بیان کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا کہ: میں تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہوں اور اپنے کمر اور گھٹنوں کے گرد کپڑا باندھ کر بیٹھ گئے، ان میں سے ایک آدمی نے کہا

کہ حضرت علی ہمارے درمیان فیصلہ کر چکے ہیں اور ان کا کیا ہوا فیصلہ سنا دیا، رسول اللہ ﷺ نے اس فیصلے کو درست قرار دیا اور اسے نافذ فرما دیا۔ (۱)

کبھی سائل سے کہا جاتا کہ بعد میں اس کا جواب دیا جائے گا، چنانچہ غور و فکر میں کبھی ایک مہینہ گزر جاتا تھا چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مہر اور میراث مفوضہ کے مسئلے کا جواب ایک مہینے کے بعد دیا تھا۔ (۲) اور جب انہیں معلوم ہوا کہ اس مسئلہ کا رسول اللہ ﷺ نے بھی یہی جواب دیا تھا تو ایسی خوشی ہوئی تھی کہ زندگی میں عظیم کارنامے انجام دینے پر انہیں اتنی خوشی و مسرت نہیں ہوئی ہوگی، جتنی اس مسئلہ کے حل اور رسالت مآب ﷺ کے جواب کے ساتھ مطابقت و موافقت سے ہوئی تھی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم کی فطرت میں کیسا عظیم اجتہادی ملکہ ودیعت کیا گیا تھا۔ اور بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضری، صحبت و خدمت نے صحابہ میں ایسا جلا و نور بخشا تھا کہ مشکل مسئلے کو حل کرنا اور اس پر عمل کرنا انہیں آسان تھا۔ ان اکابر مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم کی مجتہدانہ صلاحیت اور فقیہانہ بصیرت، مزاج شریعت سے مناسبت اور اس میں رسوخ و پختگی نے انہیں مرجع خلائق بنایا تھا، مسائل کے حل میں سب کی نگاہیں انہی کی طرف اٹھتی تھیں اور انہی کے بتائے ہوئے مسئلوں پر عمل کیا جاتا پر عمل کیا جاتا تھا۔ مذکورہ بالا مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہر مجتہد نے جن مسائل کو حل کیا، یہ انفرادی اجتہادی مسائل کا ذخیرہ ہر مجتہد کے انداز فکر و نظر کا شاہد اس کی اجتہادی آراء و نظریات کا جامع اور اس کی اصابت رائے کا شاہکار ہے۔

مذکورہ بالا مجتہدین صحابہؓ کے اجتہادی کام کی ابتدا عہد رسالت میں مدینہ منورہ سے ہوئی جیسا کہ گزر چکا، پھر جیسے جیسے اسلامی قلمرو کی فتوحات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا، ان کی اجتہادی سرگرمیوں کا دائرہ بھی اسلامی مملکت کے مرکزی شہروں میں وسعت اختیار کرتا گیا، ان کی تعلیمی و تربیتی مساعی سے ان کے طلبا اور شاگردوں میں اجتہادی سلیقہ پروان چڑھتا گیا، چنانچہ ان کی وفات کے بعد ان کے شاگردوں نے اس بنیادی فریضے کو

۱- مسند احمد: ۱/۱۴۱، مسند ابو داؤد طیالسی: ۱/۲۷، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۴/۲۸۴، نیل الاوطار: ۷/۲۷۔

۲- سنن ابی داؤد: ۱/۲۸۸۔

اسلامی قلمرو کے وسیع تر علاقے کے مرکزی شہروں میں انجام دینا شروع کیا۔

ان سات مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم سے جس مجتہدانہ کام کا آغاز عہد رسالت میں مدینہ سے ہوا تھا وہ سارے اسلامی قلمرو میں پھیلا اور ان مکثرین صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجتہادی کام کا سلسلہ عہد صحابہؓ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی وفات پر ساتویں دہائی کے وسط میں اختتام پذیر ہوا، اور ان کے نامور شاگردوں نے اس سلسلے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، لیکن اس کا دائرہ انفرادی کوششوں تک محدود رہا، اور اسلامی قلمرو کی مقامی اور وقتی ضرورتوں کو پورا کرتا رہا۔ مگر شورائی نظام اجتہادی جس کا آغاز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں کیا تھا، وہ اکابر مجتہدین کے اسلامی قلمرو میں مامور کئے جانے سے زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا۔

عہدِ رسالت میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی خدمتِ افتاء

فتوے دینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض منصبی تھا، قرآن میں اس کا ذکر ہے، "یستفتونک"(۱) "صحابہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ لیتے ہیں"، شرعی حکم معلوم کرتے ہیں۔ چنانچہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم فتویٰ دیتے تھے، آپ نے بعض مہاجر و انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کی بھی تربیت کی تھی، اور وہ آپ کی غیر موجودگی میں آپ کی اجازت سے فتویٰ دیتے تھے۔(۲) ان میں چھ صحابہ رضی اللہ عنہم کو شہرت حاصل تھی، تین مہاجر اور تین انصار تھے، چنانچہ حضرت سہل بن ابی خیثمہ ساعدی رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت ابو خیثمہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں:

"كان الذين يفتون على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاثة من المهاجرين و ثلاثة من الانصار، عمر، و عثمان و علي و أبي بن كعب و معاذ بن جبل، و زيد بن ثابت۔"(۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فتویٰ دیتے تھے ان میں تین حضرت عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم تھے۔ اور تین حضرت اُبی بن کعب، حضرت معاذ بن جبل اور

۱- سورۃ نساء، آیت: ۱۲۷۔ ۲- الحاوی للفتاوی، السیوطی: ۱/۱۶۱۔

۳- الطبقات الکبری: ۲/۳۵۱۔

زید بن ثابت رضی اللہ عنہم انصاری تھے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (م ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں مجھے احادیث و آثار کے مطالعے سے معلوم ہوا کہ زمانۂ رسالت میں افتا کی خدمت انجام دینے والے صحابہ آٹھ تھے، میں نے انہیں دو شعروں میں نظم کیا ہے، وہ شعر یہ ہیں۔

وقد كان في عصر النبي جماعة

يقومون بالإفتاء قومة قانت

فاربعة أهل الخلافة، معهم

معاذ، أبي، و ابن عوف، ابن ثابت(۱)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آٹھ صحابہ فتاویٰ دینے کا ایسا اہتمام کرتے، جیسے کوئی فرمانبردار اطاعت الٰہی کرتا ہے، ان میں چار خلفا راشدین حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم تھے اور ان کے ساتھ حضرت معاذ، حضرت ابی بن کعب، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم بھی یہ خدمت انجام دیتے تھے۔

مورخ علامہ عبدالرحمٰن ابن الجوزی رحمہ اللہ المتوفی ۵۹۷ھ نے 'کتاب المدھش' میں عہد رسالت میں مفتیان صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد چودہ نقل کی ہے، موصوف کا بیان ہے:

"من كان يفتي على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم: أبوبكر ،و عمر، و عثمان ،و علي ،و عبدالرحمن بن عوف ،و ابن مسعود، و أبي و معاذ ،و عمار ،و حذيفه، و زيد بن ثابت ،و ابو الدردا و أبو موسىٰ و سلمان رضي الله عنهم" (۲)

عہد رسالت میں جو صحابہ رضی اللہ عنہم فتوے دیتے تھے وہ ۱۔حضرت ابوبکر عبداللہ بن عثمان تیمی قرشی (۵۱ق ھ-۱۳ھ/ ۵۷۳ء-۶۳۴ء)، ۲۔حضرت عمر (۴۰ ق ھ-۲۳ھ/ ۵۸۴ء-۶۴۴ء)، ۳۔حضرت عثمان (۴۷ق ھ-۳۱ھ/ ۵۷۷ء-۶۵۶ء)، ۴۔حضرت

۱۔الحاوی للفتاوی: ۱/۱۶۲۔ ۲۔المدھش: ص ۵۱

علی (۲۳ ق ھ۔ ۴۰ھ/ ۶۰۰۔۶۶۱ء)، ۵۔حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (۴۴ ق ھ ۔۳۲ھ/ ۵۸۰ء۔ ۶۵۲ء)، ۶۔حضرت عبداللہ بن مسعود ہذلی (۰۰۰۔۳۲ھ/...... ۔۶۵۳ء)،۷۔حضرت ابی بن کعب الانصاری (۰۰۰۔۲۱ھ/۰۰۰۔۶۴۲ء)،۸۔حضرت معاذ بن جبل خزرجی انصاری (۲۰ ق ھ۔۱۸ھ/۶۰۳۔۶۳۹ء)،۹۔حضرت عمار بن یاسر (۵۷ ق ھ۔۳۷ھ/ ۵۶۷۔۶۵۷ء)،۱۰۔حضرت حذیفہ بن الیمان (۰۰۰۔ ۳۶ھ/ ۰۰۰۔ ۶۵۶ء)، ۱۱۔ حضرت زید بن ثابت خزرجی انصاری (۱۱ ق ھ ۔ ۴۵ھ/ ۶۱۱۔ ۶۶۵ء)،۱۲۔حضرت ابوالدردا عویمر بن زید بن قیس (۰۰۰۔۳۲ھ/ ۰۰۰۔۶۵۲ء)، ۱۳۔حضرت ابوموسیٰ اشعری (۲۱ق ھ۔۴۴ھ/۶۰۲۔۶۶۵ء)،۱۴۔حضرت سلمان فارسی (۰۰۰۔۳۶ھ/۰۰۰۔۶۵۶ء) رضی اللہ عنہم تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم کے فتووں پر عمل کیا جاتا تھا، اوران کی فقہی بصیرت وتقلید کوراہ نجات سمجھا جاتا تھا۔

خلافت راشدہ میں رائے اور فتووں پر عمل

خلافت راشدہ میں بھی رائے اور فتووں پر عمل کیا جاتا تھا، چنانچہ فقہاء سبعہ میں قاسم بن محمد بن ابی بکر رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۰۶ھ کا بیان ہے۔

"ان ابابكر الصديق رضى الله عنه كان اذا نزل به امر، يريد فيه مشاورة اهل الراى واهل الفقه، و دعا رجالا من المهاجرين والا نصار عمر و عثمان و عليا و عبدالرحمٰن بن عوف و معاذ بن جبل و أبى بن كعب و زيد بن ثابت، رضی اللہ عنہم و كل هولاء يفتى فى خلافة أبى بكر رضی اللہ عنہ، و انماتصير فتوى الناس إلى هولاء، فمضى أبوبكر على ذلک، ثم ولى عمر رضی اللہ عنہ فكان يدعوهؤلاء النفر، و كانت الفتوىٰ تصير و هو خليفة إلى عثمان و أبى و زيد رضی اللہ عنہم ۔"(۱)

بلاشبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس جب کوئی نیا مسئلہ اور واقعہ پیش آتا، وہ اس میں اہل الرائے اور اہل فقہ سے مشورہ لینے کا ارادہ فرماتے تو مہاجرین وانصار میں

۱۔طبقات الکبری:۲/۳۵۰۔

سے حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابی بن کعب اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کو بلاتے تھے۔

اور یہی لوگ خلافت صدیقی میں فتوے دیتے تھے۔ اور لوگوں کی طرف سے جو سوالات آتے وہ انہی کو پہنچائے جاتے تھے۔ یہ فتاوی کے مرجع تھے اور انہی کا فتویٰ چلتا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں یہی معمول تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکمرانی کا زمانہ جب شروع ہوا تو وہ بھی انہی لوگوں کو بلاتے تھے، اور انہی کے فتووں پر عمل جاری تھا۔ اور فتوے حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کو پہنچائے جاتے تھے۔

(حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے دور فرمانروائی میں یہ خود فتوے دیتے تھے)

قیس بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ، ابوجعفر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں مہاجرین کا کوئی گھر ایسا نہیں تھا جو تہائی یا چوتھائی پیداوار پر کاشت نہ کرتا ہو۔ حضرت ابوبکر، عمر، علی، سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم، عمر بن عبدالعزیز، قاسم، عروہ رحمہم اللہ کے خاندان والے اور ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سب بٹائی کیا کرتے عبد الرحمٰن بن اسود رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ: میں عبدالرحمٰن بن یزید رحمۃ اللہ علیہ کا کھیتی میں شراکت دار تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے اس شرط پر مزارعت کا معاملہ کیا کہ اگر بیج ان کا ہو تو وہ آدھی پیداوار لیں گے، اور اگر بیج لوگوں کا ہو تو وہ اتنی (آدھی) پیداوار لیں گے (یعنی دونوں صورتوں میں آدھی پیداوار ان کی ہوگی۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر زمین دو آدمیوں میں سے ایک کی ہو اور دونوں اس میں خرچ کریں تو پیداوار برابر تقسیم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، امام ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے۔ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول (بھی) ہے کہ: اگر کوئی آدھوا آدھ کپاس ٹھہرا کر اس کو چنے، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ابراہیم، ابن سیرین، عطاء، زہری اور قتادہ رحمہم اللہ کا قول ہے کہ: اس میں کوئی برائی نہیں کہ کپڑا تہائی یا چوتھائی پر (جولاہے کو) دے، اور معمر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ مویشی تہائی یا چوتھائی پر ایک مدت معین کے لیے کرایہ پر دینے میں کوئی حرج و مضائقہ

نہیں۔(۱)

عہد صحابہ میں چھ مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم کی آرا کی پیروی

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ المتوفی ۲۴۱ھ "کتاب العلل" میں بلند پایہ فقیہ و حافظ حضرت مسروق رحمہ اللہ کا بیان نقل کرتے ہیں۔

عہد صحابہؓ میں چھ صحابہ رضی اللہ عنہم: ۱۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ (۴۰ ق ھ - ۲۳ھ/ ۵۸۴-۶۴۴ء) ۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود (۰۰۰-۳۲ھ/ ۰۰۰-۶۵۲ء) ۳۔ حضرت علی بن ابی طالب (۲۳ ق ھ-۴۰ھ/ ۶۰۰-۶۶۱ء) ۴۔ حضرت ابی بن کعب (۰۰۰-۲۱ھ/ ۰۰۰-۶۴۲ء) ۵۔ حضرت زید بن ثابت (۱۱-۴۵ھ/ ۶۱۱-۶۶۵ء) ۶۔ حضرت ابوموسیٰ عبداللہ بن قیس اشعری رضی اللہ عنہم (۲۱ ق ھ-۴۴ھ/ ۶۰۲-۶۶۵ء) فتویٰ دیتے تو ان کے قول پر بات ٹھہرتی، ان میں تین صحابی اپنے قول اور فتوے کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں چھوڑ دیتے تھے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں اور حضرت زید رضی اللہ عنہ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں اپنی رائے اور فتویٰ سے دست بردار ہو جاتے تھے۔(۲)

اب یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ تفقہ، فقہی بصیرت اور تفریع مسائل کا نام ہی رائے ہے۔ عہد رسالت، خلافت راشدہ اور عہد صحابہ(۳) سے اس سنت پر عمل برابر جاری

۱۔صحیح البخاری: رص ۴۹۵۔ ۲۔کتاب العلل ومعرفۃ الرجال: ۱ر۱۹۷، طبقات الکبریٰ: ۲ر۳۵۰، تاریخ الثقات للعجلی: ر۲۷۸، سیر اعلام النبلاء: ۳ر۳۸۸

۳۔عہد صحابہ: جمہور مؤرخین کے نزدیک دور صحابہ پہلی صدی ہجری کے اختتام پر ختم ہوتا ہے، چنانچہ امام ابواسحاق الشیرازیؒ المتوفی ۴۷۶ھ "طبقات الفقہاء" (بغداد، ۱۳۵۶ھ ص ۲۲-۲۳) میں رقمطراز ہیں: وانقرض عصر الصحابۃ مابین تسعین الی مائۃ (صحابہ رضی اللہ عنہم کا زمانہ نوے سے سو کے مابین ختم ہوگیا) پہلی صدی ہجری کے خاتمے سے پہلے جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سفر آخرت اختیار کیا، اس کی تفصیل مورخ واقدی المتوفی ۲۰۷ھ نے یوں پیش کی ہے۔

۱۔کوفے میں آخری صحابی حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ (۸۶ھ/ ۷۰۵ء) میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

=

۲۔مدینے میں آخری

وساری تھا۔

عظیم مجتہدین کی عظیم تر مجتہدین کے حق میں اپنی فقہی آراء سے دست برداری

یہاں یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ مذکورۂ بالا صورت میں ایک عظیم مجتہد کا دوسرے عظیم تر مجتہد کے مقابلے میں اپنی رائے کو چھوڑ کر دوسرے مجتہد کی رائے کو اختیار کرنا، اجتہاد کی ایک قسم ہے۔ چنانچہ امام ابوالحسن الکرخی رحمہ اللہ (۲۶۰۔۳۴۰ھ/۸۷۴۔۹۵۲ء) فرماتے ہیں۔

"أن تقليد المجتهد لغيره ممن هو أعلم منه، و ترك رايه لرايه ضرب من الاجتهاد في تقوية راى الأخر في نفسه على رايه، لفضل علمه و تقدمه ،و

= صحابی سہل بن سعد ساعدی (رضی اللہ عنہ ۹۱ھ/۷۱۰ء) سو برس کی عمر میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔۳۔ بصرے میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے (۱۰ق ھ۔۹۱ھ/۶۱۲۔۷۱۰ء) نے اور بعض کا قول ہے ۹۳ھ میں انتقال کیا۔۴۔ شام میں حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے (۸۸ھ/ ۷۰۷ء) میں وفات پائی۔۵۔ (مکہ میں) حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ (۲ھ۔۱۰۰ھ/ ۶۲۵۔۷۱۸ء) میں وفات پائی۔ مورخ اسلام علامہ شمس الدین الذہبی رحمہ اللہ نے حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کا ذکر پہلی صدی ہجری کی وفیات کے ذیل میں کیا ہے لیکن لکھا ہے:

"قال وهب بن جرير سمعت ابي يقول: كنت بمكة سنة عشر و مائة، فرأيت جنازة فسألت عنها، فقالوا: هذا ابو الطفيل قلت: هذا هو الصحيح بثبوت إسناده و هو مطابق لماقيله"

(تاریخ الاسلام، تحقیق بشار عواد، دار الغرب الاسلامی طبعہ اولی/ ج۲/ص ۱۲۰۱، حوادث ووفیات ۸۰۔۱۰۰ھ)

"وہب ابن جریر رحمہ اللہ کا بیان ہے: میں نے اپنے باپ سے سنا کہتے تھے کہ میں ۱۱۰ھ میں مکہ میں تھا میں نے ایک جنازہ دیکھا اور اس کے متعلق پوچھا، تو لوگوں نے بتایا کہ: یہ صحابی رسول حضرت عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کا جنازہ ہے میں کہتا ہوں (الذہبی) یہ قول صحیح ہے۔ اس کی سند درست اور سابقہ بیان کے مطابق ہے۔

معرفته بوجوه النظر والا ستدلال، فلم يحل في تقليده إياه من إن يكون مستعملا لضرب من الاجتهاد، يوجب عنده رجحان قول من قلده "۔ (۱)

بلاشبہ ایک مجتہد کا اپنے سے بڑے مجتہد وعالم کی تقلید کرنا اور اپنی اجتہادی رائے کو اس کی اجتہادی رائے کے مقابلے میں نظرانداز کرنا، دوسرے مجتہد کی رائے کو اپنی رائے کے مقابلے میں چھوڑنا دراصل اس کی اعلمی برتری اور علم میں اس کی پیش قدمی کی وجہ سے ہے۔۲۔اس کی وجوہ نظر کی معرفت اور استدلال کے پیش نظر ترجیح دینا، اور اس کی تقلید کرنا، اس امر سے خالی نہیں کہ وہ اجتہاد کی ایک قسم پر عمل پیرا رہا، جس نے اس امر کو اس کے خیال میں ضروری کر دیا کہ اس نے جس کی تقلید اختیار کی ہے اس کے قول کو اپنے قول پر ترجیح دے۔

چھ مجتہدینؒ میں سے تین صحابی رضی اللہ عنہم کوفی

چنانچہ مذکورہ بالا چھ علماء میں سے تین حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم کا شمار مجتہدین فقہا کوفہ سے ہے۔ (۲) اور دوسرے تین حضرات علماء و مجتہدین کا تعلق بقیہ اسلامی بلاد سے ہے۔

مذکورۂ بالا چھ صحابہؓ کا شمار ان مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہے جنہیں فقہ و نظر میں بلند مقام حاصل تھا جو عہدِ رسالت میں بھی فتویٰ دینے کے اہل تھے، اور فتویٰ دیتے تھے، چنانچہ مؤرخ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ ۱۶۸۔۲۳۰ھ نے ''طبقات الکبریٰ'' میں ایک مستقل باب:

"ذكر من كان يُفتي بالمدينه ويُقتدى به من أصحاب رسول الله ﷺ"

قائم کیا ہے اس میں ان مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم کو نام بنام گنوایا ہے۔ (۳)

۱۔اصول الجصاص: ۲/۳۷۳۔ ۲۔طبقات الفقہا وللشیرازی، ص ۱۲۔

۳۔طبقات الکبریٰ: ۲/۳۳۴، سیر اعلام النبلاء: ۲/۳۸۹۔۳۸۸، الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ۱/۵۶۲، قواطع الادلہ فی الاصول: ۲/۲۶۲۵، تدریب الراوی: ۲/۱۲۹۔

مجتہدین صحابہ میں تین صحابہ رضی اللہ عنہم پر ابواب احکام کی انتہاء

امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد علی بن المدینی رحمہ اللہ المتوفی ۲۳۴ھ کا بیان ہے کہ احکام سے متعلق صحابۂ رسول ﷺ کا علم تین صحابہ پر منتہی ہوا، انہی سے وہ علم سیکھا اور روایت کیا گیا۔

ا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، ۲۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، ۳۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ ان میں سے ہر ایک کے شاگرد تھے جو ان کے قول پر عمل کرتے اور لوگوں کو فتوے دیتے تھے۔(۱)

مذکورۂ بالا بیان سے بھی یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں عوام الناس ان کے فتووں پر عمل پیرا رہتے تھے، غور فرمائیں کیا یہ تقلید شخصی نہیں؟

حضرت ابن مسعود و زید بن ثابت اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے شاگرد اپنے استادوں کے اقوال اور فتاویٰ کے مقلد و ناشر

مؤرخ علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ المتوفی ۴۶۳ھ نے بسند متصل علی بن المدینی رحمہ اللہ المتوفی ۲۳۴ھ کا بیان ان الفاظ میں زینت کتاب کیا ہے۔

"لم یکن من اصحاب النبی ﷺ أحد له أصحاب یقومون بقوله فی الفقه الا ثلاثة، عبدالله بن مسعود وزید بن ثابت و ابن عباس رضی اللہ عنہم، کان لکل واحد منهم أصحاب یقومون بقوله و یفتون الناس۔(۲)

حضور اکرم ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں کوئی ایک صحابیؓ ایسا نہ تھا جس کے شاگرد فقہ میں اس کے اقوال پر جمے رہتے اور عمل کرتے اور اس کے فقہی مذہب کو اختیار کرتے ہوں۔ مگر صرف تین صحابیؓ۔ ا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود، ۲۔ حضرت زید بن ثابت اور ۳۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم ایسے تھے کہ ان میں سے ہر ایک کے شاگرد ان کے قول کو

ا۔ الجامع: ۲/۲۸۹۔ ۲۔ مقدمہ ابن صلاح: ص ۲۳۱، سیر اعلام النبلاء: ۲/۴۳۸۔

اختیار کرتے اور لوگوں کو اس کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔

یہاں یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ شیخ بخاری رحمۃ اللہ علیہ، علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک نامور مجتہد خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام رہ گیا ہے، ابواب احکام کی جن ائمہ مجتہدین پر انتہا ہوتی ہے، وہ تین نہیں چار ہیں، جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ ان تاریخی حقائق کی روشنی میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ عہد صحابہ رضی اللہ عنہم (پہلی صدی ہجری) میں مطلق تقلید ہی نہیں، تقلید شخصی کا بھی عوام میں رواج ہو چلا تھا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی مجلس کا موضوع سخن

صحابہ رضی اللہ عنہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں بیٹھ کر پیش آنے والے مسئلوں کے حکموں کے متعلق آپس میں بحث و مباحثہ کرتے رہتے تھے یہ فقہی بصیرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طبیعت میں ایسی رچ بس گئی تھی کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی مجالس میں موضوع سخن ہی فقہی مسائل ہوتے تھے۔ چنانچہ حاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۴۰۵ھ ''المستدرک'' میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کرتے ہیں۔

''أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم إذ اجلسوا كان حديثهم معنى الفقه إلا أن يقرأ رجل سورة او أن يأمر بقرأة سورة''(1)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم جب بیٹھتے، تو ان کا موضوع سخن، ۱۔ فقہ اور فقہی مسائل ہوتے تھے، مگر یہ کہ، ۲۔ کوئی صحابی کوئی سورت پڑھنی شروع کرتا، یا ۳۔ کوئی صحابی کسی کو کوئی سورت کی تلاوت کی فرمائش کرتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مجلس میں موضوع سخن فقہی مسائل ہوتے تھے یا پھر قرآن کی تلاوت ہوتی تھی۔

امام ابوبکر ابوالجصاص رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۳۷۰ھ ''احکام القرآن'' میں فرماتے ہیں:

''أن اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم مجتمعون في المسجد يتذاكرون

۱۔ المستدرک علی الصحیحین: ۱/۲۸۶۔

حوادث المسائل فی الاحکام۔"(۲)

اصحاب رسول ﷺ مسجد میں بیٹھ کر پیش آنے والے مسئلوں کے حکموں کے متعلق آپس میں بحث مباحثہ کرتے رہتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا صحابہ رضی اللہ عنہم کو فقہی بصیرت حاصل کرنے کی ترغیب وتاکید

اوراس سنّت متوارثہ پر قرآن وسنت کی رہنمائی

امام ابوبکر الجصاص رحمہ اللہ المتوفی ۳۷۰ھ "احکام القرآن" میں رقمطراز ہیں۔

محمد بن سیرین (۳۳۔۱۱۰ھ/۶۵۳۔۷۲۹ء) احنف بن قیس رحمہما اللہ (۰۰۰۔ ۶۷ھ/۰۰۰۔۶۸۶ء) سے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: قیادت وسیادت سے بہرہ مند ہونے سے پہلے فقہی بصیرت (اور مسائل کے حل کا فہم) حاصل کرو، رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم مسجد میں بیٹھ کر پیش آنے والے مسئلوں کے احکام میں مباحثہ کرتے تھے۔ (ان کے بعد) تابعین بھی اس طریقے وروش پر گامزن رہے اوران کے بعد آنے والے فقہاء کا ہمارے زمانے (۳۷۰ھ/۹۸۰ء) چوتھی صدی ہجری تک یہ سلسلہ بدستور قائم ہے۔

اس حقیقت کا انکار رذیل اور جاہل لوگ کرتے ہیں جنہوں نے ملتی جلتی سنن و اثار کو اٹھا کر دیکھا، ان کے مطالب ومعانی اوراحکام کو نہ پاسکے ان میں بحث کرنے اوران سے فقہی احکام نکالنے سے عاجز آگئے۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"رُب حامل فقه غير فقيه و رب حامل فقه الى من هو أفقه منه"(۲)

بہت سے فقہی حدیثوں کے راوی فقیہ نہیں اور بہت سے فقہی حدیثوں کے سننے والے ان کا منشاومطلب زیادہ اچھا سمجھتے ہیں۔

۱۔احکام القرآن للجصاص: ۵۹۰۔۵۹۔

۲۔سنن ابوداؤد: ۳۶/۴، سنن ترمذی: ۳۹۲/۴، سنن ابن ماجہ المقدمہ: ۲۱۹/۱۔

اس حقیقت سے منکر جماعت کی مثال ایسی ہے جیسی مثال اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہے۔

"مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا"(۱)

ان لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا تھا پھر انہوں نے اس پر عمل نہ کیا، ان کی مثال گدھے کی سی ہے جو کتابیں لادے ہوئے ہو۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اِنْ تُبْدَلَكُمْ تَسُؤْكُمْ"(۲)

یعنی وہ (باتیں جو یہ پوچھتے ہیں) تم پر کھولی جائیں تو تم کو بری لگیں گی۔

اس سے مراد عبداللہ بن حذافہ وغیرہ کے بے محل و بے جا سوالات ہیں جیسے "من أبی" "میرا باپ کون ہے؟ اور "این انا" "میں کہاں ہوں؟ جن سے ہر شائستہ انسان کو ناگواری ہوتی اور تکلیف پہنچتی ہے۔ اس قسم کے فضول و لایعنی سوالات کی قباحت و ممانعت کا اظہار اس آیۂ شریفہ میں یوں کہا گیا ہے۔

"وَاِنْ تَسْئَلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبْدَلَكُمْ"(۳)

اور اگر تم انہیں دریافت کرتے رہو گے اس زمانے میں جب کہ قرآن اتر رہا ہے تو تم پر ظاہر کر دی جائیں گی۔

اس قسم کے سوالات کی شریعت میں اجازت نہیں۔ لیکن ایسے سوالات جن سے حق تعالیٰ کی رضا جوئی اور احکام الٰہی کی تعمیل کرنا مقصود ہو وہ اس کے زمرے میں داخل نہیں، یہی وجہ ہے کہ نت نئے مسائل کے متعلق احکام الٰہی کے اظہار و بیان سے کسی سائل کو ناگواری نہیں بلکہ خوشی و مسرت ہوتی ہے۔ (اس لئے ان پر عمل سے ہر ایک کی دینی و دنیوی زندگی سنورتی ہے، چنانچہ ایسے تمام سوالات جن کا تعلق معاش کے شعبوں سے ہو یا معاد کے ان سے مقصد احکام کی بجا آوری ہے، وہ سب "عفو" درگزر کے دائرے میں داخل ہیں) چنانچہ آیت شریفہ میں ارشاد ہے:

۱-سورۃ الجمعہ آیت: ۵۔ ۲-سورۃ المائدہ آیت: ۱۰۱۔ ۳-ایضاً۔

"عَفَا اللّٰہ عنہا" ط [1]

اللہ تعالیٰ نے ان کی بات سے درگزر کی۔

یعنی اس قسم کے دینی مسائل میں بحث و تکرار پر تم سے باز پرس نہیں کی اور ان مسائل کے حقائق تم پر روشن کر دیئے، (ذرا غور فرمائیں! یہ فقہی بصیرت کیسا عظیم احسان الٰہی ہے)

اس مقام پر "عفو" درگزر کرنے کا مطلب ایسے سوالات سے درگزر کرنا، اجازت دینا، سہولت فراہم کرنا، اور لگائی ہوئی پابندی کو ڈھیل دینا، آسانی کرنا ہے، جیسا کہ دوسری جگہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ" ج [2]

اس نے تم پر رحمت سے توجہ فرمائی اور تم سے درگزر کی۔

یہاں "عَفَا عَنْكُم" کے معنی "سَهَّلَ عليكم" کے ہیں یعنی تمہیں سہولت بخشی ہے (تم اس سے فائدہ اٹھاؤ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے۔

"الحلال ما أحل الله والحرام ما حرم الله وما سكت عنه فهو عفو۔"

حلال وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حلال کیا اور حرام وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا اور جس سے اللہ تعالیٰ نے سکوت و خاموشی اختیار کی وہ عفو و درگزر کی حدود میں داخل ہے۔ [3]

اس کا مطلب یہ ہے اس میں سہولت دی گئی ہے فائدہ اٹھانے کی گنجائش رکھی گئی ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"عفوت لكم عن صدقة الخيل والرقيق۔" [4]

۱- ایضاً۔ ۲- سورۂ بقرہ: آیت ۱۸۷۔ ۳- احکام القرآن للجصاص: ۲/ ۵۹۰۔

۴- سنن ترمذی: ۱/ ۱۳۲، سنن ابی داؤد: ۱/ ۲۲۳، سنن ابن ماجہ: ۱۳۰، شرح معانی الآثار للطحاوی: ۱/ ۳۶۳، صحیح ابن خزیمہ: ۴/ ۲۸، جامع المسانید: ۱/ ۴۶۰، المصنف لابی بکر عبدالرزاق: ۶۸۷۹-۶۸۸۱، المصنف لابی شیبہ: ۳/ ۱۵۲، سنن الدار قطنی: ۱/ ۹۷، رقم ۲۰۰۲، سنن الکبری للبیہقی: ۴/ ۱۱۸۔

میں نے تم سے گھوڑے اور غلام کی زکوٰۃ سے درگزر کی۔

مذکورہ بالا ارشادات نبوی سے اجتہاد کے موقع ومحل کی تعیین بھی ہو جاتی ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجتہادی طریقے کی پیروی

شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۴۷۳ھ "المحرر فی اصول الفقہ" میں لکھتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد:

"اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔"

میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ستاروں کی طرح رہنما ہیں ان میں سے تم جس کی پیروی کرو گے راستے پاؤ گے، کا مفہوم یہ ہے کہ ان کی اقتدا احکام الٰہی کی طلب وجستجو میں ان کے طریقے پر چلنے میں پوشیدہ ہے۔ نہ ان کی تقلید کرنے میں، اور ان کا طریقہ رائے و اجتہاد پر عمل کرنا تھا اور یہی آپ کے اس ارشاد کا کہ: میرے بعد آنے والوں کی پیروی کرو اور میرے خلفاء رضی اللہ عنہم کے طریقے پر چلتے رہو، کا مطلب تھا کہ جن باتوں میں حکم صریح نہ پاؤ ان میں ان کے طریقہ اجتہاد ورائے پر گامزن رہو۔(۱)

بعض مجتہد اکابر واصاغر صحابہ رضی اللہ عنہم کے بکثرت فتووں کے اسباب

اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے (فتوے اور) روائتیں کم ہونے کا سبب یہ ہے کہ تابعین کے فائدہ اٹھانے سے پہلے وہ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے تھے (یہی وجہ ہے کہ اکابر صحابہؓ میں سے) حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے بکثرت (فتوے اور) روایتیں مروی ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ "حجۃ اللہ البالغہ" میں رقمطراز ہیں:

"فصارت قضایاہ وفتاواہ متبعۃفی مشارق الارض ومغاربھا"(۲)

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلوں اور فتووں کی اسلامی قلمرو کے مشرق ومغرب

۱۔ المحرر فی اصول الفقہ: ۲/۸۴، اصول الجصاص: ۲/۳۸۶۔

۲۔ حجۃ اللہ البالغہ: ۱/۲۸۱۔

میں ہر طرف پیروی کی جاتی تھی، یہ بھی تقلید تھی۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے زیادہ زمانہ پایا، انہوں نے حکمرانی کی ان سے سوالات کیئے گئے، انہوں نے لوگوں کے فیصلے چکائے، رسول اللہ ﷺ کے تمام تر صحابہ رضی اللہ عنہم ایسے امام تھے، جن کی اقتدا اور پیروی کی جاتی تھی، اور یہ جو افعال و اعمال کرتے تھے ان کو نظر میں رکھا جاتا تھا۔ ان کی طرف توجہ دی جاتی تھی، ان سے فتوے پوچھے جاتے، وہ ان کا جواب دیتے تھے، انہوں نے حدیثیں سنی تھیں اور وہ حدیثیں سناتے تھے یا اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے، ان کے علاوہ دوسرے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم جیسے حضرت ابوبکر (۵۱ ق ھ۔ ۱۳ھ/ ۵۷۳۔ ۶۳۴ء)، حضرت عثمان (۴۷ ق ھ۔ ۳۶ھ/ ۵۷۷۔ ۶۵۶ء)، حضرت طلحہ (۲۸ ق ھ۔ ۳۶ھ/ ۵۹۶۔ ۶۵۶ء)، حضرت زبیر (۲۸ ق ھ۔ ۳۶ھ/ ۵۹۴۔ ۶۵۶ء) حضرت سعد بن ابی وقاص (۲۳ ق ھ۔ ۵۵ھ/ ۶۰۰۔ ۶۷۵ء)، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (۴۴ ق ھ۔ ۳۲ھ/ ۵۸۰۔ ۶۵۲ء)، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح عامر بن عبداللہ (۴۰۔ ۱۸ھ/ ۵۸۴۔ ۶۳۹ء)، حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل (۲۲ ق ھ۔ ۵۱ھ/ ۶۰۰۔ ۶۷۱ء)، حضرت ابی بن کعب (۰۰۰۔ ۲۱ھ/ ۰۰۰۔ ۶۴۲ء)، سعد بن عبادہ (۰۰۰۔ ۱۴ھ/ ۰۰۰۔ ۶۳۵ء)، عبادہ بن الصامت (۳۸ ق ھ۔ ۳۴ھ/ ۵۸۶۔ ۶۵۴ء)، اسید بن حضیر (۰۰۰۔ ۲۰ھ/ ۰۰۰۔ ۶۴۱ء)، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم (۲۰ ق ھ۔ ۱۸ھ/ ۶۰۳۔ ۶۳۹ء) اور انہی جیسے صحابہ سے بہت کم روایتیں منقول ہیں۔ ان اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کثرت سے روایتیں منقول نہیں جس کثرت سے کم عمر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں جیسے حضرت جابر بن عبداللہ (۱۶ ق ھ۔ ۷۵ھ/ ۶۰۷۔ ۶۹۷ء)، ابوسعید خدری (۱۰ ق ھ۔ ۷۴ھ/ ۶۱۳۔ ۶۹۳ء)، ابوہریرہ عبدالرحمٰن بن صخر (۲۱ ق ھ۔ ۵۹ھ/ ۶۰۲۔ ۶۷۹ء)، عبداللہ بن عمر بن الخطاب (۱۰ ق ھ۔ ۷۳ھ/ ۶۱۳۔ ۶۹۲ء)، عبداللہ بن عمرو بن العاص (۷ ق ھ۔ ۶۵ھ/ ۶۱۶۔ ۶۸۴ء)، عبداللہ بن عباس (۳ ق ھ۔ ۶۸ھ/ ۶۱۹۔ ۶۸۷ء)، رافع بن خدیج (۱۲ ق ھ۔ ۷۴ھ/ ۶۱۱۔ ۶۹۳ء)، انس بن مالک (۱۰ ق ھ۔ ۹۳ھ/ ۶۱۲۔ ۷۱۲ء)، براء بن عازب (۰۰۰۔ ۷۱ھ/ ۰۰۰۔ ۶۹۰ء) رضی اللہ عنہم۔

اور انہی جیسے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں، ان مذکورہ بالا تمام صحابہ ؓ کا شمار فقہاء

صحابہ رضی اللہ عنہم میں کیا جاتا ہے، یہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔

اور ان سے کم عمر صحابہ جیسے حضرت عقبہ بن عامر جہنی (۰۰۰-۵۸ھ/ ۰۰۰-۶۷۸ء)، زید بن خالد جہنی (۰۰۰-۷۸ھ/ ۰۰۰-۶۹۷ء)، عمران بن الحصین (۰۰۰-۵۲ھ/ ۰۰۰-۶۷۲ء)، نعمان بن بشیر (۲-۶۵ھ/ ۶۲۳-۶۸۴ء)، معاویہ بن ابی سفیان (۲۰ق ھ-۶۰ھ/ ۶۰۳-۶۸۰ء)، سہل بن سعد ساعدی (۰۰۰-۹۱ھ/ ۰۰۰-۷۱۰ء)، عبداللہ بن یزیدی الخطمی (۰۰۰-تقریبا ۷۰ھ/ ۰۰۰-۶۹۰ء)، مسلمہ بن مخلد الزرقی (۱-۶۲ھ/ ۶۲۲-۶۸۲ء)، ربیعہ بن کعب الاسلمی (۰۰۰-تقریباً ۶۳ھ/ ۰۰۰-۶۸۳ء)، ہند بن ارشا اسلمی (۰۰۰-تقریبا ۵۰ھ/ ۰۰۰-تقریبا ۶۷۰ء)، اسماء بن حارثہ اسلمی (۱۴ق ھ-۶۶ھ/ ۶۰۶- ۶۸۶ء) رضی اللہ عنہم، یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتے اور ساتھ رہتے تھے، چنانچہ ان سے زیادہ روایتیں منقول ہیں، اور ان دونوں میں اور انہی جیسے صحابہ ان میں علم زیادہ رہا اس لئے کہ یہ زیادہ مدت تک زندہ رہے، اور ان کی عمریں بھی لمبی ہوئیں اور تابعین کو ان کے علم سے زیادہ فائدہ اٹھانے کا موقع ملا، اور بیشتر بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم ان سے پہلے وفات پا گئے، اور ان اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے زیادہ علم نہیں پھیلا، اس لئے بھی کہ اس وقت انہی صحابہ کی بڑی تعداد موجود تھی۔ (۱)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اجتہاد میں مرتبہ ومقام

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایسے بلند ترین فقیہ تھے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے مجتہد اعظم وخلیفہ راشد سے فقہی مسائل میں سو سے زیادہ مسئلوں میں اختلاف رکھتے تھے، علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"أما اختلافهما فلو تقصى لبلغ أزيد من مائة مسئلة۔" (۲)

حضرت عمر اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے مابین اختلافی مسائل کو اگر شمار کیا جائے تو ان کی تعداد سو سے بھی زیادہ نکلے گی۔

۱- الطبقات الکبری: ۲/ ۳۷۶۔

۲- الاحکام فی اصول الاحکام: ۶/ ۶۱۔

فقہ و بصیرت کا گھاٹ

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے بسند متصل حضرت مسروق کوفی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان نقل کیا ہے۔

”لقد جالست أصحاب محمد ﷺ، فوجدتهم كالاخاذ، فالاخاذ يُروى الرجل والاخاذ يروى الرجلين و الاخاد يروى العشرة والاخاذ يروى المائة والاخاذ لو نزل به اهل الارض لا صدرهم، فوجدت عبدالله بن مسعود من ذالک الا خاد۔ (۱)

مجھے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہم نشینی کی سعادت حاصل رہی ہے، چنانچہ میں نے انہیں گڑھوں (تالاب) کی طرح پایا (کوئی کم علم والا کوئی زیادہ علم والا) کوئی ایک آدمی کو سیراب کرتا کوئی دو کو سیراب کرتا، کوئی دس کو اور کوئی سو دو سو کو سیراب کرتا۔ ان میں ایسا بھی تالاب تھا کہ اگر اس سرزمین والے سب ہی آتے تو وہ سب کو سیراب کر کے لوٹاتا، تو میں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو (فقہی بصیرت میں) ایسا ہی تالاب پایا۔

علامہ بدرالدین زرکشی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۷۹۴ھ ”البحر المحیط“ میں رقمطراز ہیں۔

واَمّا ابن مسعود كان فقية الصحابة منتدبا و بالفتوىٰ و كذلک ابن عباس و زيدبن ثابت رضی اللہ عنہم ممن شهدله الرسول بأنه أفرض الأئمة۔ المعتبر تصدية لهذا المعنى من غير نكير ۔ ولاشک في كون العشرة من أهل الاجتهاد، وكذلک من انتشرت فتاوىٰ كابن مسعود وعائشة وغيرهم رضی اللہ عنہم كثرت فتاواهم غيرأن الذى اشتهر منهم الفتاوىٰ والأحكام جماعة مخصوصه۔ (۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی فتوے سے وابستگی رہی ہے اس لئے وہ فقہی و

۱۔طبقات الکبری: ۳۴۳/۲۔ ۲۔البحر المحیط: ۲۱۱/۶، ۲۱۲۔

فقیہ وصحابی کے لقب سے مشہور تھے، یہی حال حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ان صحابہ میں سے ہیں جن کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے مسائل میراث کے سب سے بڑے عالم ہونے کی شہادت دی ہے، اور وہ یہ خدمت برابر سرانجام دیتے رہے اس امر میں کسی کا اختلاف نہیں، اور عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم کے مجتہدین ہونے میں بھی شک وشبہ نہیں ہے، اور ایسے صحابہ جن کے فتوے شائع ہیں جیسے ابن مسعود اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جن کے فتوے کثیر تعداد میں موجود ہیں وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جو احکام (حلال وحرام) سے متعلق مسائل میں شہرت رکھتے ہیں وہ ایک مخصوص اور محدود جماعت ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا روایتی معیار

اہل علم میں سے کسی کو اس بات میں شک نہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو فقہ ودرایت اور اتقان واحتیاط اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری وقربت کا جو مرتبہ ومقام حاصل تھا وہ کم ہی صحابہ کو حاصل ہوگا۔ چنانچہ امام عمرو بن میمون یمانی ثم کوفی رحمہ اللہ المتوفی ۷۵/۷۴ھ، کا بیان ہے:

مجھے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہم نشینی کی برسوں سعادت حاصل رہی ہے۔ میں نے انہیں حدیثیں بیان کرتے ہوئے نہیں سنا۔ ایک بار انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث سنائی، تو احتیاط کا یہ عالم تھا کہ انہیں سہو کا اندیشہ وخطرہ ہوا اور خوف طاری ہوگیا، پھر فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے اس طرح سے فرمایا تھا، یا اس کے قریب قریب بات کہی تھی، یا اسی قسم کے الفاظ ارشاد فرمائے تھے۔ علم میں ان کا یہ مقام تھا کہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے وقت گھبراہٹ طاری ہو جاتی تھی، بیان روایت میں احتیاط کا یہ حال تھا۔(1)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا بلند معیار کا اندازہ مورخ اسلام علامہ شمس الدین الذہبی رحمہ اللہ المتوفی ۷۴۸ھ کے بیان سے کیا جاسکتا ہے وہ

1- اصول الجصاص: ۲۲/۲۔

"تذکرۃ الحفاظ" میں رقمطراز ہیں۔

"ابو عبدالرحمٰن عبداللّٰہ ابن ام عبدالھذلی صاحب رسول اللّٰہ ﷺ، وخادمہ و أحدالسابقین الأولین، ومن کبارالبدریین، ومن نبلا إلفقہاء و المقرئین، کان ممن یتحری فی الأداء و یتشدد فی الروایۃ ویزجر تلامذتہ عن التھاون فی ضبط الالفاظ۔"(1)

حضرت ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن ام عبد ہذلی رضی اللہ عنہ ۱۔رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں، ۲۔ان کے خادم ہیں، ۳۔سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے ہیں۔ ۴۔بڑے بدری صحابہ میں ہیں، ۵۔نہایت بلند پایہ فقہا اور ۶۔قاریوں میں سے ہیں، ۷۔ان صحابہ میں سے ہیں جو بیان روایت میں متشدد بہت سخت۔ ۸۔اور بہت محتاط تھے۔ ۹۔وہ اپنے شاگردوں کو الفاظ حدیث کے ضبط میں سستی اور ۱۰۔بے احتیاطی پر سختی سے روک ٹوک کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایتی معیار کتنا سخت اور بلند تھا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مجتہدین کو ہدایت

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ: ہم پر ایسا زمانہ بھی گزرا کہ ہم فیصلہ نہیں کرتے تھے، فتویٰ نہیں دیتے تھے۔ کیونکہ اس وقت ایسے مسائل (اجتہادیہ) پیش نہیں آتے تھے۔ پس اگر کسی کو حکم بتانا ہو تو کتاب سے بتائے اگر کتاب اللہ میں نہ ہو تو سنت رسول اللہ ﷺ سے بتائے، اور اگر آپ ﷺ کی سنت میں بھی نہ ہو۔
تو پھر اپنی رائے سے حکم بتائے اور فیصلہ صادر کرے۔(۲)

لہٰذا اگر نئے مسائل میں اجتہاد سے کام لینے کا پہلے سے رواج نہ ہوتا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مجتہدین کو اپنی اجتہادی رائے اور فقہی بصیرت سے مسئلے کا حکم پیش کرنے کی ہدایت نہ فرماتے، اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس امر پر ان کی نکیر کرتے، یہ بات

۱۔تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص ۱۳۔۱۴۔

۲۔اصول الفقہ للجصاص: ۲/ ۲۳۱

(ان پر نکیر نہ کرنا) اس امر کی شاہد ہے کہ ان کے یہاں اجتہادی رائے پر عمل کا معمول اور دستور تھا۔[1] اسی لئے جس میں اجتہاد کی اہلیت و صلاحیت نہ ہو اس کو اجتہاد کی ہرگز اجازت نہیں۔[2]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مذہب وفتووں کی تشکیل وتدوین

علامہ ابن القیم الجوزیہ رحمہ اللہ المتوفی ۷۵۱ھ نے "اعلام الموقعین" میں امام محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ المتوفی ۳۱۰ھ کا بیان نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

"لم يكن احد له اصحاب معروفون، حرروا فتياه و مذهبه غير ابن مسعود۔"[3]

کوئی مجتہد صحابی ایسا نہ تھا سوائے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے جس کے مشہور ومعروف شاگرد اس کے فتووں اور اس کے مذہب کو قید تحریر میں لائے ہوں۔

سب سے پہلے تشکیل وتدوین مذہب وفتووں کی جمع وترتیب کی سعادت صرف عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ کو حاصل ہے اور وہ بھی مرکز علم کوفہ میں۔

اصول استنباط کی تشکیل وتدوین میں مجتہدین صحابہؓ کے تلامذہ کی مساعی جمیلہ

حقیقت یہ ہے کہ شریعت کے تمام ابواب میں غور وخوض کرنے اور شریعت کے اصول کی روشنی میں اسلامی معاشرے میں پیش آنے والے مشکل مسائل کو حل کرنے کے اصول استنباط اور قواعد استخراج کی تشکیل وتدوین میں ائمہ مجتہدین اور ان کے شاگردوں کی مساعی جمیلہ کا یہ ثمرہ ہے۔ چنانچہ شیخ عبدالقاہر بغدادی رحمہ اللہ المتوفی ۴۲۹ھ "اصول الدین" میں فرماتے ہیں کہ۔

صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے چار صحابیؓ

۱۔ حضرت علی، ۲۔ عبداللہ بن مسعود، ۳۔ زید بن ثابت انصاری خزرجی، ۴۔

۱- ایضا:/۲/ ۲۳۱۔ ۲- ایضا:/۲/ ۲۳۶۔ ۳- اعلام الموقعین عن کلام رب العالمین: ۲۰/۱

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے تمام ابواب فقہ (شریعت) میں بحث کی ہے۔ یہ چار صحابیؓ کسی مسئلے میں کسی قول پر اتفاق کریں تو مبتدع کے سوا کہ فقہ میں اس کے اختلاف کا اعتبار نہیں، مسلم امہ، ان کے قول پر مجتمع ہو جاتی ہے اور اسے اجماع کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔

یہاں یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہر وہ مسئلہ جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام صحابہؓ کے قول کے مقابلے میں اپنی رائے اور قول میں منفرد ہوں، اس میں محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ انصاری (۷۴-۱۴۸ھ/ ۶۴۰-۷۶۵ء) عامر بن شراحیل شعبی کوفی (۱۹-۱۰۳ھ/ ۶۴۰-۷۲۱ء) اور عبیدہ بن عمرو سلمانی رحمہم اللہ (۷۲ھ/ ۶۹۷ء) ان کی اتباع کرتے ہیں۔

اور ہر وہ مسئلہ جس میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ منفرد ہوئے اس میں امام مالک و شافعی رحمہما اللہ اکثر ان کی پیروی کرتے ہیں اور مدینہ کے فقہاء سبعہ میں سے ان کے فرزند خارجہ رحمہ اللہ یقیناً انہی کے قول پر عمل کرتے ہیں۔ اور ہر وہ مسئلہ جس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ منفرد ہوئے، اس میں عکرمہ بن عبداللہ بربری مدنی (۲۵-۱۰۵ھ/ ۶۴۵-۷۲۳ء) اور سعید بن جبیر کوفی رحمہما اللہ (۴۵-۹۵ھ/ ۶۶۵-۷۱۴ء) ان کی اتباع کرتے ہیں۔

اور ہر وہ مسئلہ جس میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ منفرد ہوئے، اس میں علقمہ بن قیس نخعی کوفی (۶۲ھ/ ۶۸۱ء) اسود بن یزید نخعی کوفی (۷۵ھ/ ۶۹۴ء) اور ابوثور ابراہیم بن خالد کلبی بغدادی رحمہم اللہ ان کی پیروی کرتے ہیں۔ (1)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی نظر میں ان مذکورہ بالا ارباب فقہ و نظر اور مجتہدین صحابہؓ کی فقہی بصیرت و دقت نظر کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ، وہ ان سے مروی احادیث کی موجودگی میں قیاس کی اجازت نہیں دیتے، چنانچہ امام فخر الاسلام بزدوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"إن كان الراوي معروفاً بالفقه، و التقدم في الاجتهاد، كالخلفاء الراشدين، والعبادلة الثلاثة، وزيد بن ثابت، و معاذ بن جبل، و أبي موسى

1- اصول الدین للبغدادی: ص ۳۱۱۔

الاشعری و عائشة، رضی اللہ عنہم، وغیرهم ممن اشتهر بالفقه والنظر، حديثهم حجة، يترك به القياس، وإن كان الراوی معروفاً بالعدالة والحفظ دون الفقه، مثل أبی هريرة، وأنس بن مالک رضی اللہ عنہم، فإن وافق حديثه القياس، عمل به، وإن خالفه لم يترک الحديث الاللضرورة۔" (۱)

راوی کو اگر تفقہ اور اجتہاد میں شرف تقدم وشہرت حاصل ہے جیسا کہ خلفاء راشدین اور عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، اور عبداللہ بن عمر، حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم ہیں اور ان کے علاوہ بھی صحابہؓ ہیں، جن کو فقہ ونظر میں شہرت حاصل ہے ان کی حدیث حجت ہے ان کی حدیث کے مقابلے میں قیاس کو چھوڑا جائے گا۔

اور راوی اگر عدالت اور حفظ میں مشہور ومعروف ہے لیکن فقہ میں مشہور نہیں جیسے حضرت ابوہریرہ، وحضرت انس رضی اللہ عنہما ہیں ایسے راوی کی حدیث اگر قیاس کے مطابق ہے تو اس پر عمل کیا جائے گا اور اگر اس کی حدیث قیاس کے مخالف ہے، تو اس حدیث کو نہیں چھوڑا جائے گا مگر ضرورت کی وجہ سے یعنی قیاس کا دروازہ مطلقاً بند نہ کیا جائے۔ بلکہ قیاس کیا جائے گا۔

یہاں یہ نکتہ بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہئے کہ مذکورۂ بالا آئمہ مجتہدین کی مختصر جماعت کو یہ امتیاز وخصوصیت اس لئے حاصل تھی کہ ان برگزیدہ شخصیات کے اجتہادات پر صحت وسلامتی کی مہر تصدیق بارگاہ رسالت سے ثبت ہو چکی تھی اور انہیں افتاء وتعلیم کی اجازت حاصل تھی، چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ المتوفی ۱۲۳۹ھ ''فتاوی عزیزی'' میں رقمطراز ہیں۔

''کسانیکہ بحضور آں جناب ﷺ بپایۂ اجتہاد کامل رسیدہ بودند وآنحضرت ﷺ اجتہادات ایشاں را تصویب فرمودند، وبفتویٰ وتعلیم اجازت فرمودہ بودند، مثل حضرت عمر، وعلی، ومثل عبداللہ بن مسعود، ومعاذ بن جبل وزید بن ثابت رضی اللہ عنہم وامثالہم (۲)

رسول اللہ ﷺ کے حضور میں جنہیں اجتہاد کامل نصیب تھا اور حضور اکرم ﷺ

۱-اصول البزدوی: ۲/۳۲۸، اصول السرخسی/ ج ۲/ص ۳۳۸۔ ۲-فتاویٰ عزیزی: ۱/۱۱۸۔

نے ان کے اجتہادات پر مہر تصدیق ثبت فرمائی اور انہیں فتوی وتعلیم دینے کی اجازت دی تھی جیسے حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت معاذ بن جبل، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اور انہی کی طرح بعض دوسری شخصیات ہیں۔

حضرت ابن مسعودؓ کے تلامذہ کا فقہی مقام حضرت عمرؓ و علیؓ کی نظر میں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگردوں کو اجتہاد و فقہی بصیرت میں ایسا پختہ کیا تھا کہ دور فاروقی وعثمانی اور عہد مرتضوی میں کوفہ کا قاضی حضرت شریح رحمہ اللہ (۷۸ھ/ ۶۹۷ء) کو بنایا گیا تھا جنہوں نے بعض مقدمات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف فتوی دیا تھا، اور انہیں عہدۂ قضاء سے معزول نہیں کیا گیا چنانچہ ابو بکر الجصاص رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ان عليا و عمر رضی اللہ عنہما قد وليا شريحاً القضاء ولم يعترضا عليه في احكامه، مع اظهاره الخلاف عليهما في كثير من المسائل۔ (۱)

حضرت عمر وحضرت علی رضی اللہ عنہما نے حضرت شریح رحمہ اللہ کو کوفہ کا قاضی بنایا اور ان کے فیصلوں پر اعتراض نہیں کیا باوجودیکہ قاضی شریح رحمہ اللہ نے بہت سے مسئلوں میں ان سے اختلاف کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو آتے دیکھا تو حاضرین مجلس سے فرمایا:

"كنيف ملئ علماً۔"

یہ علم کا باڑا ہے، دوسری مرتبہ فرمایا:

"كنيف ملئ فقهاً۔"

تفقہ وفقہی بصیرت کی جولان گاہ ہے۔ (۲)

خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کو:

۱۔ اصول الجصاص/ ج۲/ص ۱۵۶، ۱۵۷۔

۲۔ طبقات الکبریٰ/۲/۳۴۴۔

"اصحاب سرج هذه القرية۔"
یہ اس بستی (کوفہ) کے علمی چراغ ہیں۔
کے لقب سے یاد کرتے تھے۔[1] اس سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کے علمی مقام کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

شاگردان ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فقہی مرتبہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی نظر میں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما قدر کرتے اور جب وہ آتے، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ان کی دعوت کرتے تھے۔
چنانچہ حضرت ابراہیم رحمہ اللہ نے حضرت مسروق رحمہ اللہ کا یہ بیان نقل کیا ہے:
کان ابن عباس رضی اللہ عنہما اذا قدم علیه أصحاب عبداللّٰه بن مسعود رضی اللہ عنہ صنع لهم طعاماً و دعاهم، قال: صنع لنا مرة طعاماً، نجعل يسال و يُفتي، و كان يخالفنا فما كان يمنعنا ان ترد عليه الا اكنا على طعامه۔[2]
حضرت بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد آتے، تو وہ ان کے لئے کھانا تیار کراتے، انہیں بلاتے تھے، حضرت مسروق رحمہ اللہ نے کہا: ایک بار انہوں نے ہمارے لئے کھانا تیار کیا۔ پھر مسائل پوچھنے اور فتویٰ دینے لگے، اور مسائل میں ہماری مخالفت کرنے لگے، ہمیں جواب دینے سے یہی بات مانع رہی کہ ہم ان کے یہاں کھانے پر مدعو تھے، (یہ موقع بحث و مباحثہ کے لئے موزوں نہیں تھا اس لئے ہم نے اس سے گریز کیا۔)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کا عہد صحابہ میں اجتہاد اور خدمت افتاء

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ دور صحابہؓ میں اجتہاد کرتے تھے اور ان کے فتووں کو مانا جاتا تھا، چنانچہ امام ابواسحاق شیرازی شافعی رحمہ اللہ المتوفی ۴۷۶ھ تحریر فرماتے ہیں۔

۱- تاریخ الثقات: /ص ۲۷۶۔
۲- اصول الجصاص /۲/۱۵۶-۱۵۷۔

"اصحاب عبداللّٰہ بن مسعودؓ کشریح والأسود وعلقمہ رحمہم اللہ کانوا یجتهدون فی زمن الصحابة، ولم ینکر علیهم احد۔"(1)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد جیسے قاضی شریح، اسود اور علقمہ رحمہم اللہ عہد صحابہؓ میں اجتہاد کرتے تھے اور کسی نے ان پر نکیر نہیں کی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کا روایتی وثقاہتی معیار

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کو فقہ حدیث میں جو مرتبہ ومقام حاصل تھا اس کا اندازہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے اس بیان سے کیا جاسکتا ہے، موصوف لکھتے ہیں:

"وأما علماء أهل الحديث كشعبة و يحي بن سعيد، و أصحاب الصحيح والسنن فكانوا يميزون بين الثقات الحفاظ وغيرهم فيعلمون من بالكوفة والبصرة من الثقات الذين لاريب فيهم، وأن فيهم من هو افضل من كثير من أهل الحجاز، ولا يستريب عالم في مثل اصحاب عبدالله بن مسعود كعلقمة، (٦٢هـ/٦٨٢ء) و الأسود (٧٥هـ/٦٩٣ء) و عبيدة السلماني (٧٢هـ/٦٩١ء) والحارث التيمي (٦٥هـ/٦٨٥ء) و شريح القاضي (٧٨هـ/٦٩٧ء) ثم مثل إبراهيم النخعي، والحكم (٦٠ھ۔ ١١٥ھ/ ٦٧٢۔٧٣٣ء) وأمثالهم من أوثق الناس وأحفظهم فلهذا صار علماء أهل الاسلام متفقين على الاحتجاج بما صححه اهل العلم بالحديث من اى مصر كان، وصنف أبوداود السجستاني "مفاريدأهل الامصار" يذكر فيه ما انفرد أهل كل مصر من المسلمين من اهل العلم بالسنة۔"(٢)

اور لیکن اہل حدیث جیسے شعبہ اور یحییٰ بن سعید القطان رحمہما اللہ اور ارباب صحاح ستہ وسنن، حفاظ اور غیر ثقات میں تمیز کرتے تھے، چنانچہ وہ کوفہ اور بصرہ کے ایسے ثقہ راویوں

١۔ کتاب اللمع: ص ١٨٨۔
٢۔ مجموع الفتاوی: ٢٠/ ٣١٧۔

کو جن کی ثقاہت شک وشبہ سے بالاتر ہے خوب جانتے تھے، اور ان میں بہت سے ایسے راوی بھی ہیں جو بہت سے حجازی راویوں سے بھی افضل و برتر تھے۔ اور کوئی عالم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کی ثقاہت کے متعلق شک وشبہ میں پڑتا ہی نہیں تھا، جیسے علقمہ، اسود، عبیدہ سلمانی، حارث تیمی، شریح قاضی، ابراہیم نخعی، حکم بن عتیبہ رحمہم اللہ، ان کے بعد انہی جیسے حفاظ روات سب سے زیادہ معتبر اور سب سے بڑھ کر حافظ حدیث موجود تھے۔ چنانچہ علماء اسلام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ شناسان حدیث نے جن حدیثوں کو صحیح قرار دیا ہے ان سے استدلال اور حجت پیش کرنا درست ہے۔ ان اہل علم کا تعلق خواہ کسی شہر سے ہو، اور ابوداود سجستانی رحمہ اللہ نے ایسی حدیثوں کو جن کی روایت میں ہر شہر کے علماء منفرد ہیں انہیں ایک کتاب میں جمع کیا ہے جو "مفاريد اهل الامصار" کے نام سے مشہور ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کی کوفہ میں تعلیمی خدمات کا فیضان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کی تعلیمی خدمات کے متعلق محمد بن سیرین رحمہ اللہ المتوفی ۱۱۰ھ کے بھائی نامور عالم انس بن سیرین بصری رحمہ اللہ (۳۴۔۱۲۰ھ/ ۶۷۵۔۷۳۸ء) (۱۰۴) کا بیان قاضی حسن بن خلاد رحمہ اللہ المتوفی ۳۶۰ھ نے بسند متصل "المحدث الفاصل" میں زینت کتاب کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

"قدمت الكوفة قبل الجماجم فرأيت فيها أربعة الاف يطلبون الحديث ، وأربعمائة قد فقهوا۔"(1)

میں دیر جماجم کے واقعہ یعنی ۸۲ھ سے پہلے کوفہ میں گیا تو میں نے دیکھا کہ یہاں چار ہزار طلبہ حدیث پڑھتے تھے۔ اور چار سو طلبہ فقیہ بن چکے اور فقہی بصیرت حاصل کر چکے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد تابعین میں صرف کوفے میں چار سو فقیہ موجود تھے۔ دوسرے اسلامی قلمرو کے بلاد اور دیہات کا کیا ذکر؟

۱۔ المحدث الفاصل: ۵۶۰۔

ذرا نظر کو بلند کیجئے عہد صحابہؓ میں کسی صحابی کے شاگردوں کو کہیں ایسے القاب سے یاد کیا گیا ہے، اور کیا کسی مجتہد کی تعلیمی و تدریسی خدمات کو خلافت راشدہ میں ایسے شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا گیا ہے، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ کو پیش کیا ہے، یہ نتیجہ وثمرہ اس فقہی بصیرت کا ہے جو انہیں حاصل تھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کی تعلیمی و تدریسی خدمات کے عہد اموی میں جو شاندار نتائج وثمرات اور ان کے دیرپا اثرات کوفہ میں نکلے اس کی نظیر اسلامی قلمرو کے وسیع وعریض قطعہ میں کہیں اور مشکل سے ملے گی۔

عہد عباسی میں اس کا اثر کوفہ میں حدیث کی گرم بازاری

کوفہ میں حدیث کی گرم بازاری کا اندازہ قاضی حسن بن خلاد رامہرمزی رحمہ اللہ (تقریباً ۲۶۰۔۳۶۰ھ/۸۷۳۔۹۷۳ء) نے "المحدث الفاصل" میں محدث بغداد حافظ عفان بن مسلم بصری رحمہ اللہ (۱۳۰۔۲۲۰ھ/ ۷۴۷۔۸۳۵ء) سے بسند متصل نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

"فقدمنا الكوفة فاقمنا أربعة اشهر، ولو اردنا أن نكتب مائة الف حديث لكتبناها فما كتبنا الاّ قدر خمسين الف حديث وما رضينا من أحد الا بالاملاء إلا شريكا، فانه ابى علينا وما رائينا بالكوفة لحاناً مجوزا۔"[1]

ہم کوفہ میں آئے تو چار مہینے ٹھہرے، ہم اگر یہاں یہ چاہتے کہ ایک لاکھ حدیثیں لکھیں تو لکھ سکتے تھے مگر ہم نے صرف پچاس ہزار حدیثیں لکھیں پھر کسی اور سے املاء کے علاوہ راضی نہ ہوئے مگر 'شریک رحمہ اللہ' کے سوا کہ انہوں نے ہم سے انکار کیا اور ہم نے کوفہ میں کسی ایسے آدمی کو نہیں دیکھا کہ جو عربیت میں غلطی کرے اور اس کو روا رکھے۔

حضرت عفان رحمہ اللہ جس شہر میں چار مہینے میں پچاس ہزار حدیثیں لکھیں اس شہر میں حدیث کی کثرت کا کیا ٹھکانا!۔

۱۔المحدث الفاصل: ص ۵۵۹۔

عہدِ تابعین میں فقہی تربیت:

''عہدِ نبوی میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی فقہی تربیت اور اس کے نتائج وثمرات'' کی سرگزشت جو خیر القرون کی دو اہم کڑیوں ۱۔ عہدِ رسالت، اور ۲۔ عہدِ صحابہ پر محیط تھی۔

اس سلسلے کی تیسری اہم کڑی عہدِ تابعین (۱) پر مشتمل ہے۔ یہ گوناگوں پہلو رکھتی ہے اس میں بحث کی زیادہ گنجائش ہے، بعض جامعات میں اس کے بعض پہلوؤں پر تحقیقی کام ہوا بھی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس طرح عہدِ صحابہؓ میں پانچ صحابہ رضی اللہ عنہم نے احکام پر کام کیا، دورِ صحابہؓ میں کسی اور صحابی سے اس میں شرکت منقول نہیں، اسی طرح عہدِ تابعین میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پہلے تابعی ہیں، جن سے شریعت کے تمام ابواب کی تشکیل وتدوین کتابی صورت میں ظہور پذیر ہوئی۔ یہ کام قدرت کی طرف سے انہی کے لئے مقدر تھا، وہی احکام شریعت کا سب سے زیادہ علم رکھتے تھے۔ چنانچہ نقد حدیث ورجال کے اپنے وقت کے مشہور عالم یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ (۱۲۰۔۱۹۸ھ/ ۷۳۷۔۸۱۳ء) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے متعلق فرماتے تھے:

''اِنّه و اللّٰه اعلم هذه الامة بما جاء عن اللّٰه و رسوله''(۲)

واللہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس امت میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے سب سے بڑے عالم تھے۔

۱۔ یہاں امر ملحوظ خاطر رہے کہ تابعین کرام کا عہد ۱۸۰ھ، ۷۹۶ء میں ختم ہوا ہے۔ چنانچہ علامہ حافظ سراج الدین معروف بابن الملقن رحمہ اللہ المتوفی ۸۰۴ھ ''المقنع فی علوم الحدیث'' مکہ، دار فلفلو از النشر، ۱۴۱۳ھ۔ ۲/۵۱۵ میں اور ''صاحب تدریب الراوی'' طبعہ مکہ ۱۳۷۹ھ، ص ۴۳۳، رقمطراز ہیں کہ:

''اوّل التابعين وفاة ابوزيد معمر بن زيد سنة ثلاثين في خلافة عثمان و آخرهم خلف بن خليفة، مات بعد ثمانين''

تابعین میں سب سے پہلے وفات پانے والے ابوزید معمر بن زید رحمہ اللہ تھے، موصوف خلافت عثمانی ۳۰ھ میں شہید ہوئے تھے۔ اور تابعین میں سب سے آخر میں انتقال کرنے والے خلف بن خلیفہ رحمہ اللہ تھے، موصوف کا انتقال ۱۸۰ھ میں ہوا۔

۲۔ مقدمۃ کتاب التعلیم: ص ۱۳۲۔

چنانچہ فقہی خدمت کی یہ سعادت دوسرے قرون میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اوران کے شاگردوں کے حصہ میں آئی، مفتی مشرق محدث و فقیہ خلف بن ایوب بلخی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۹-۲۰۵ھ) فرماتے تھے:

"صارعلم من الله تعالى الى محمد ﷺ ثم صار إلى اصحابه ثم صار إلى التابعين، ثم صار إلى ابى حنيفة و اصحابه فمن شاء فليرض ومن شاء فليسخط۔"(۱)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم محمد ﷺ کو پہنچا، پھر وہ علم رسالتمآب ﷺ کی طرف سے صحابہ کرامؓ میں آیا، پھر صحابہ رضی اللہ عنہم سے تابعین رحمہم اللہ میں پھیلا، پھر تابعین میں یہ علم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اوران کے شاگردوں میں آیا، سو جو چاہے اس (حقیقت) پرخوش ہو اور جو چاہے اس پر ناراض ہو۔

اس تاریخی حقیقت کو علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

"من مناقب ابى حنيفة التى انفرد بها،أنّه اوّل من دوّن علم الشريعة ورتّبه ابوابا، ثم تبعه مالك بن انس فى ترتيب الموطاء ولم يسبق اباحنيفة احد"(۲)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ان خصوصی مناقب میں سے جن میں وہ یکتا ومنفرد ہیں، ایک یہ ہے کہ وہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم شریعت کو مدون کیا اوراس کی ابواب پر ترتیب کی، پھرامام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطاء کی ترتیب میں ان کی پیروی کی اوراس امر میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر کسی کو سبقت حاصل نہیں۔

ان وجوہ سے اس دوسری تیسری کڑی میں فقہائے تابعین کی مجتہدانہ سرگرمیوں کی مختصر نشاندہی کے بعد عہد تابعین میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے فن حدیث، فقہ، رجال میں علمی خدمات ومقام اوراسلامی قلمرو میں ان کے علمی وتحقیقی ورثے کے ثمرات ونتائج کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

۱- تاریخ بغداد: ۱۳/۳۳۶۔ ۲- تبییض الصحیفہ: رص ۳۶۔

تابعین رحمہم اللہ کی مجلس میں فقہی مسائل میں مذاکرہ

اس سنت متواترہ و متوارثہ پر تابعین رحمہم اللہ کے دور میں عمل جاری رہا، چنانچہ مؤرخ اسلام علامہ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ المتوفی ۷۴۸ھ نے ''تاریخ الاسلام'' میں نامور محدث فضیل (۱) بن غزوان ضبی کوفی رحمہ اللہ المتوفی بعد ۱۴۰ھ/ ۷۵۷ء کا بیان نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''کنا نجلس انا ومغیرہ (۲) وعدد ناسا نتذاکر الفقہ فربما لم نقم حتی نسمع النداء لصلاۃ الفجر۔'' (۳)

ہماری رات میں بیٹھک رہتی تھیں اور مغیرہ ابن مقسم ضبی رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۳ھ

۱۔ فضیل بن غزوان الضبی الکوفی رحمہ اللہ (بعد ۱۴۰ھ) کا تذکرہ ذہبی رحمہ اللہ نے ''الامام المحدث الثقہ'' کے الفاظ سے کیا ہے۔ یہ صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں، حضرت عکرمہ مولی ابن عباس اور سالم بن عبداللہ وغیرہ رحمہم اللہ سے روایت کرتے ہیں:

''محمد بن فضیل، عبداللہ بن المبارک اور یحییٰ القطان وغیرہ موصوف سے روایت کرتے ہیں امام احمد بن حنبل وغیرہ رحمہم اللہ نے موصوف کو ثقہ قرار دیا۔

یہ ایسے بلند پایہ فقہا میں سے ہیں جن کی راتیں فقہی مسائل کی بحث میں گزرتی تھیں، امام موصوف کا تذکرہ علامہ شیرازی رحمہ اللہ نے ''طبقات الفقہاء'' میں اور ابن حزم اندلسی رحمہ اللہ سے غیر معمولی جستجو کے باوجود نام رہ گیا بلکہ اور بھی ایسے کتنے فقہاء و مجتہد ہوں گے جن کا تذکرہ و نام ان سے رہ گیا ہوگا۔ (سیر اعلام النبلاء، ج ۶، ص ۲۰۳، تہذیب الکمال، بیروت، دار المامون للتراث، ج ۲، ص ۵۔۱۱)

۲۔ مغیرہ بن مقسم الضبی مولاہم الاعمیٰ الکوفی صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں، مورخ ذہبی رحمہ اللہ نے موصوف کا تذکرہ ان الفاظ سے کیا ہے۔ الامام، العلامہ الثقہ الضبی الکوفی الاعمیٰ رحمہ اللہ،

صغار تابعین میں موصوف کا شمار ہوتا ہے، عکرمہ، ابراہیم نخعی اور شعبی رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں، تابعین میں سلیمان تیمی رحمہ اللہ نے موصوف سے روایت کی ہے۔ شعبہ رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ یہ حکم اور حماد رحمہ اللہ دونوں سے بڑے حافظ تھے اور ابوبکر بن عیاش رحمہ اللہ کہتے ہیں: (سیر اعلام النبلاء، ۶/ ۱۱)،

''ما رأیت افقہ منہ''

میں نے موصوف سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا چنانچہ میں ان سے چمٹا رہا، جریر بن عبدالحمید =

اور چند اہلِ علم کا نام اور لیا، سب فقہی مسائل میں مذاکرہ کرتے اور بسا اوقات اس مجلس سے کوئی اٹھتا نہیں، تا آنکہ فجر کی اذان سنتے اور نماز فجر کے لئے اٹھتے تھے۔

رائے (فقہی بصیرت) اور مطالب ومعانی حدیث میں ربط وتلازم

وہ مجتہدین وفقہائے امت جنہوں نے اس سنت متواترہ ومتوارثہ کی آبیاری کی

= نے موصوف کے حفظ کے متعلق خود مغیرہ کا قول نقل کیا کہ "ما وقع فی مسامعی شئی فنسیتہ" میرے کانوں میں کوئی چیز پڑی ہو پھر میں اس کو بھولوں ایسا نہیں ہوا، اس پر علامہ الذہبی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں:

"ھذا واللّٰہ الحفظ، لا حفظ من درس کتاباً مرات عدۃ، حتی عرضہ، ثم تخبط علیہ، ثم درسہ فحفظہ، ثم نسیہ او اکثرہ"۔ (ایضاً)

واللہ حفظ یہ ہے، اس کا حفظ نہیں جس نے کتاب کئی بار پڑھائی، یہاں تک کہ اسے طلبہ میں پیش کیا انہیں پڑھائی، سنائی۔ پھر اس پر توجہ کی اور محفوظ کرلی، پھر اسے پڑھایا تو یاد کیا پھر اسے بھول گئے یا اس کا اکثر حصہ ذہن سے جاتا رہا۔

حافظ عجلی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۲۶۱ھ فرماتے ہیں:۔

"مغیرہ ثقۃ فقیہ کان من فقہاء اصحاب ابراھیم، وکان اعمیٰ"

(تاریخ الثقات ص ۴۳۷، وسیر اعلام النبلاء، ۶ ص ۱۲)

مغیرہ، رحمۃ اللہ علیہ ثقہ اور فقیہ تھے، ابراہیم نخعی کے شاگردوں میں سے تھے اور اندھے تھے۔

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

"کان ثقۃ کثیر الحدیث" (الطبقات الکبریٰ:۶ ر ۳۳۷) مغیرہ رحمۃ اللہ علیہ ثقہ اور ان کے پاس حدیث کا ذخیرہ بہت تھا۔

امام کا قول ۱۳۳ھ اور ابن معلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ۱۳۳ھ میں انتقال ہوا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی صدی ہجری کے آخر سے دوسری صدی ہجری کی تیسری دہائی تک فقہا کا جن میں اندھے بھی ہوتے راتوں میں فقہی مسائل پر بحث کا معمول تھا۔ مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوا کہ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اس سنت متواترہ پر گامزن رہے، پھر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگردوں نے اس طریقہ کو اپنایا اور یہ طریقہ امام ابوبکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۳۷۰ھ کے زمانے تک اس پر عمل جاری تھا۔ (احکام القرآن للجصاص:۲ ر ۵۹۰)

۳۔ تاریخ الاسلام: (حوادث ووفیات ۱۳۱ھ۔ ۱۴۰ھ) ص ۵۴۲۔

اور اسے زندہ رکھا، انہی پر طعن و تشنیع کی جاتی ہے، تذکرہ و رجال کی کتابوں میں انہیں ''اصحاب الرّأی'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ سنت کو چھوڑ کر رائے پر عمل کرتے ہیں، حالانکہ یہی مجتہدین و فقہاء سنت و آثار کے معانی و مطالب کو بہتر سمجھتے، اور وہ ان کی نسبت ان پر عمل بھی زیادہ کرتے ہیں، ان مجتہدین و فقہاء کے معانی و مطالب حدیث کو بہ غور سمجھنے کا اعتراف امام بخاری رحمہ اللہ کے نامور شاگرد امام ترمذی رحمہ اللہ کو ہے، وہ فرماتے ہیں:

''وهم (الفقهاء) اعلم بمعاني الحديث'' وہ فقہاء معانی حدیث کو بہتر طور پر جانتے سمجھتے ہیں

حدیث اور رائے میں حنفیہ کا نقطہ نظر

فقہاء سنت پر عمل کے زیادہ دلدادہ ہیں، اس لئے کہ فقہی بصیرت اور معانی حدیث کی تفہیم میں گہرا ربط و تلازم ہے۔ ان (حنفیہ) کا بنیادی اصول جو آب زر سے لکھنے کے لائق ہے، یہ ہے کہ:

''لایستقیم العمل بالحدیث الا بالرائی، ولا یستقیم العمل بالرائی الاّ بالحدیث''

رائے (فقہی بصیرت) کے بغیر حدیث پر عمل درست نہیں، اور حدیث کے بغیر فقہی بصیرت بے معنی شے ہے۔

اس اصول کی طرف امام محمد رحمہ اللہ نے ''کتاب ادب القاضی'' میں رہنمائی کی ہے۔(1)

اس اصول کی روشنی میں ارباب اصول فقہ اور فقہاء یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ائمہ احناف کا سنت پر عمل دوسرے ائمہ مجتہدین کی نسبت سے زیادہ ہے، چنانچہ شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ ''اصول السرخسی'' میں رقم طراز ہیں:

۱-: دراصل یہ بات ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے منقول ہے، اس حقیقت کا انکشاف سب سے پہلے ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے ہی کیا ہے، البتہ اس کو زیادہ چرچا اور شہرت امام محمدؒ کے قول سے حاصل ہوئی ہے۔ حلیۃ الاولیاء: ۴/ ۲۲۵، رقم ۵۳۴۴۔

"قال (محمد بن الحسن فی ادب القاضی) لا يستقيم العمل بالحديث الا بالرای، ولا يستقيم العمل بالرأی الا بالحديث، وأصحابنا هم المتمسكون بالسنة والرأی الحقيقة، فقد ظهر منهم من تعظيم السنة مالم يظهر من غيرهم ممن يدعی أنه صاحب الحديث؛ لأنهم جوزوا نسخ الكتاب بالسنة لقوة درجتها، وجوزوا العمل بالمراسيل، وقدموا خبر المجهول على القياس، وقدموا قول الصحابی على القياس، لأن فيه شبهة السماع من الوجه الذی قررنا، ثم بعد ذلک كله عملوا بالقياس الصحيح وهو المعنی الذی ظهر أثره بقوة فأما الشافعی رحمه الله حين لم يجوز العمل بالمراسيل فقد ترک كثيراً من السنن، وحين لم يقبل رواية المجهول فقد عطل بعض السنة أيضاً، وحين لم يرتقليد الواحد من الصحابة فقد جوز الإعراض عما فيه شبهة السماع، ثم جوّز العمل بقياس الشبه وهو ممّا لا يجوز أن يضاف إليه الوجوب بحال فما حاله إلا كحال من لم يجوز العمل بالقياس أصلا، ثم يعمل باستصحاب الحال فحمله ماصار إليه من الاحتياط على العمل بلا دليل وترک العمل بالدليل، وتبين أن أصحابنا هم القدوة فی أحكام الشرع أصولها وفروعها، وأن بفتواهم اتضح الطريق للناس ألا أنه بحرٌ عميق لايسلكه كل سابح، ولا يستجمع شرائطه كل طالب، والله الموفق (1)

امام محمد رحمہ اللہ نے "کتاب ادب القاضی" میں تصریح کی ہے کہ: حدیث پر

۱۔اصول السرخسی: ۱۱۳/۲، (ولہ) البحر المحیط فی اصول الفقہ: ۸۷/۲ ۔

عمل فقہی بصیرت کے بغیر درست نہیں ہوتا، اور حدیث کے بغیر فقہی بصیرت درست نہیں۔ حقیقت میں ہمارے اصحاب (متقدمین ائمہ حنفیہ) نے سنت پر عمل کو مضبوطی سے پکڑا ہوا ہے، چنانچہ ۱۔حدیث شریف کی تعظیم و تکریم جیسی ان سے ظاہر ہوتی ہے اور اصحاب الحدیث میں نہیں پائی جاتی، اس امر کی دلیل یہ ہے کہ ۲۔انہوں نے (اصحاب الرائے) نے سنت کو اتنا قوی درجہ دیا ہے کہ اس سے کتاب اللہ کا نسخ جائز سمجھا ہے۔۳۔مرسل روایتوں پر عمل درست قرار دیا۔۴۔مجہول راوی کی روایت کو قیاس پر مقدم کیا ہے۔ ۵۔صحابی رضی اللہ عنہ کے قول کو قیاس پر فوقیت دی، اس لئے کہ صحابی رضی اللہ عنہ کے قول میں رسول اللہ ﷺ سے سننے کا احتمال برابر برقرار ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

ان تمام باتوں کے بعد بھی ۵۔انہوں (فریق مخالف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ) نے قیاس صحیح پر عمل کیا، اور یہ وہ بات ہے جس کا اثر اپنی قوت کے ساتھ نمایاں ہے، (اس کے برعکس حدیث پر عمل کرنے والوں کا حال یہ ہے کہ وہ مرسل روایتوں پر عمل جائز قرار نہیں دیتے، چنانچہ انہوں نے حدیث وسنت کے بڑے ذخیرے پر عمل چھوڑ رکھا ہے، اور اسے ناقابل عمل قرار دے رکھا ہے۔ (یہی فرق ہے حنفیہ اور دیگر مذاہب میں) انہوں نے خیر القرون کے مجہول راوی کی روایت کو قبول نہیں کیا، اس طرح بعض سنتوں پر عمل معطل کیا۔ امام موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے جب صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی صحابی کی تقلید کو روا نہیں رکھا، تو انہوں نے سماع کے شبہ سے صرف نظر کی اور قیاس شبہ پر عمل کو جائز رکھا۔ حالانکہ یہ ان باتوں میں سے ہے کہ کسی حال میں وجوب کی نسبت اس کی طرف کرنا جائز نہیں، اس کا حال اس شخص کے حال کی طرح ہے جو قیاس پر عمل کو قطعاً جائز قرار نہیں دیتا، پھر امام موصوف ''استصحاب حال''[1] پر عمل کرتے ہیں۔

۱۔استصحاب حال نیز ارباب اصول کی اصطلاح ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ حکم ثابت کرنے والا اس چیز کو باقی رکھنے والا نہیں ہے، اس لئے کہ ایک چیز کی ایجاد اور ہے اور اس چیز کو باقی رکھنا اور بات ہے، اس لئے ضروری نہیں کہ جس دلیل نے اس کو زمانۂ ماضی میں وجود بخشا ہے وہ دلیل اس کو زمانۂ حال میں باقی رکھنے والی ہو، اس لئے کہ بقا عرض ہے جو وجود کے بعد لاحق ہوتی ہے، عرض اس چیز کی عین اور ذات نہیں ہے، لہٰذا وجود سے بقا کی نفی کرنا درست ہے، چنانچہ یہ کہنا درست ہے کہ ایک چیز وجود پذیر ہوئی اور باقی نہیں رہی، لہٰذا اب بقا کے لئے ایک جداگانہ سبب درکار ہے =

موصوف کا استصحاب حال کو اختیار کرنا دلیل کے بغیر احتیاط پر عمل کرتا ہے، اور ترک عمل دلیل سے ہوتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ ہمارے اصحاب احکام شرع کے اصول وفروع میں پیشوا اور رہنما ہیں، اور ان کے فتوے سے لوگوں کے لئے شریعت کا راستہ کھلا ہے، تاہم یہ بات پیش نظر رہے کہ یہ ایک گہرا سمندر ہے، ہر تیراک اس سمندر میں تیر نہیں پاتا اور نہ ہر طالب اس کی شرائط کو پورا کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی بخشنے والا ہے۔

فخر الاسلام بزدوی رحمہ اللہ ''کنز الوصول'' میں تحریر فرماتے ہیں:

"واصحابنا: هم السابقون في هذا الباب (أي التفقه في الحديث) ولهم الرتبة العليا و الدرجة القصوىٰ في علم الشريعة، وهم الربانيون في علم الكتاب والسنة و ملازمة القدوة، وهم أصحاب الحديث والمعاني، اما المعاني فقد سلم لهم العلماء حتى سموهم "اصحاب الرأى" والرأى اسم للفقه الذى ذكرنا، وهم اولىٰ بالحديث ايضاً، الا ترى أنهم جوّزوا نسخ الكتاب بالسنة، لقوة منزلة السنة عندهم، و عملوا بالمراسيل تمسكا بالسنة والحديث و رأوا العمل به مع الارسال أولىٰ من الرأى ومن رد المراسيل فقد ردّ كثيراً من السنة، و عمل بالفرع بتعطيل الأصل۔ وقدموا رواية المجهول على القياس، و قول الصحابي على القياس، وقال محمد رحمہ اللہ في "كتاب أدب القاضي" لايستقيم الحديث إلا بالرأى، ولايستقيم الرأى إلا بالحديث حتى أن مَن لايحسن الحديث اوعلم الحدث، ولا يحسن الرأى فلايصلح للقضاء والفتوى وقد ملأ كتبه من الحديث، ومن استراح بظاهر الحديث عن بحث المعاني ونكل عن ترتيب الفروع على الاصول انتسب إلى ظاهر الحديث"(1)

= تو تنہا استصحاب کے حکم سے بقا کا حکم کرنا بغیر دلیل کے حکم لگانا ہے، اور یہ بات درست نہیں، اس کے لئے جداگانہ دلیل کی حاجت ہے اور وہ موجود نہیں، (کشاف اصطلاحات الفنون، لاہور، سہیل اکیڈمی ۱۹۹۲ء ۱/۸۰۹)

۱- کنز الوصول الی معرفۃ الاصول: ص ۴-۵۔

ہمارے اصحاب وہ ہیں: جنہیں اس باب (فقہ حدیث) میں بلند رتبہ اور اعلیٰ مرتبہ حاصل ہے، اور وہی علمائے ربانی کتاب وسنت کے علم میں لائق اقتدا ہیں اور وہی ''اصحاب الحدیث'' ہیں جو حدیث کے معانی سمجھتے ہیں، حدیث کے معانی کا فہم و ادراک انہی علماء کا حق تسلیم کیا گیا ہے، چنانچہ ان کو 'اصحاب الرأی' کے نام سے یاد کیا گیا اور وہ رائے اس فقہ کا نام ہے جس کا تذکرہ ہم نے اوپر کیا ہے اور یہ معانی حدیث کے سمجھنے والے ہی ''اصحاب الحدیث'' کہلانے کے زیادہ لائق ہیں۔

کیا تمہیں نظر نہیں آتا کہ ان کے یہاں سنت کا مرتبہ اتنا قوی ہے کہ انہوں نے سنت سے کتاب اللہ کا نسخ جائز قرار دیا۔ اور انہوں نے سنت و حدیث سے استدلال کرتے ہوئے ''مراسیل'' پر عمل کیا اور مرسل حدیث پر عمل کرنا ''رائے'' سے بہتر سمجھا۔ اور جس نے ''مراسیل'' کو نظر انداز کیا، اس نے سنت کے بہت بڑے حصے کو چھوڑ دیا اور اصل کو چھوڑ کر فرع پر عمل کیا، اس نے حدیث کو جو اصل ہے چھوڑ کر قیاس پر عمل کیا، جو فرع کی حیثیت رکھتا ہے۔ انہوں نے مجہول راوی کی روایت کو قیاس پر مقدم کیا۔ انہوں نے صحابی کے قول کو قیاس پر فوقیت دی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ''کتاب ادب القاضی'' میں تصریح کی ہے کہ:

''لا يستقيم الحديث الا بالرأي ولا يستقيم الرأي إلا بالحديث''

حدیث کا مطلب ومنشاء، رائے، وفقہی بصیرت کے بغیر صحیح طور پر سمجھا نہیں جاتا، اور رائے وقیاس، حدیث کے بغیر صحیح نہیں ہوتا حتیٰ کہ جو حدیث کو اچھی طرح سمجھ نہیں پاتا اور علم حدیث میں مہارت حاصل نہیں کر پاتا، اس کی رائے وقیاس درست نہیں، وہ قضا اور فتوے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اگر چہ اس نے اپنی کتابوں کو حدیث سے بھرا ہوا ہو، اور جو معانی حدیث میں بحث ونظر کئے بغیر ظاہر حدیث پر مطمئن ہو گیا اور اس نے فروع کو اصول کے تحت ترتیب دینے سے منہ موڑا، اسے ''ظاہری'' کہا جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کسی ایسے عالم کو منصب افتاء وقضا کا اہل نہیں سمجھتے جو فقہ وحدیث میں بصیرت نہ رکھتا ہو، چنانچہ امام طحاوی المتوفی رحمۃ اللہ علیہ ۳۲۱ھ

"مختصر الطحاوی" میں رقم طراز ہیں:

"اور ایسے عالم کو قاضی بنانا مناسب ہے جس کی ۱۔ پاک دامنی، ۲۔ صلاح، ۳۔ فہم و فراست قابل اعتماد ہو، ۴۔ سنت و آثار کا علم رکھتا ہو، ۵۔ (جس کی) وجوہ فقہ کی معرفت قابل اعتماد ہو۔ ایسے صاحب رائے عالم کو قاضی نہ بنائیں جسے سنت واحادیث کا علم نہ ہو اور نہ ایسے حدیث داں کو جسے فقہ کا علم اور فقہ میں بصیرت نہ ہو، اور جو عالم مذکورہ بالا صفات سے آراستہ ہو وہ فتویٰ نہ دے اور فتویٰ دے تو صرف ایسی بات کا جسے اس نے (تحقیق سے) سنا ہو۔"(۱)

ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کی جس بات کی طرف امام محمد رحمہ اللہ نے "کتاب ادب القاضی" میں اشارہ و تنبیہ کی ہے کہ رائے کے بغیر حدیث کے معانی نہیں سمجھے جاسکتے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ نصوص شرعیہ معقولۃ المعانی ہیں، ان کا ادراک فہم سلیم اور عقل و دانش سے کیا جاسکتا ہے، لیکن یہ کام وہی ارباب صدق وصفا سرانجام دے سکتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے مزاج شریعت سے مناسبت اور فقہی بصیرت کی نعمت سے سرفراز کیا ہے۔

نصوص شرعیہ معقولۃ المعانی ہیں، مگر ان کا ادراک و فہم آسان نہیں، یہ ہر عالم کے بس کا کام نہیں، چنانچہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ المتوفی ۷۲۸ھ فرماتے ہیں کہ:

"میں نے اپنی بساط کے مطابق شرعی دلائل پر غور و فکر کیا، تو میں نے قیاس صحیح کو حدیث صحیح کے مخالف نہیں پایا، جیسا کہ معقول صحیح، منقول صحیح کے مخالف نہیں ہوتا، بلکہ میں نے قیاس کو اکثر مخالف حدیث و اثر پایا تو لازماً میں نے ان میں سے ایک کو ضعیف پایا لیکن قیاسِ صحیح اور قیاسِ فاسد میں بہت سے فاضل علماء امتیاز کرنے سے قاصر ہیں، اور علماء کا تو ذکر ہی کیا ہے، اس لئے کہ احکام میں علت موثرہ کا صحیح ادراک اور ان معانی کا فہم جن کا تعلق احکام سے ہے اشرف علوم سے ہے۔ ان میں سے کچھ تو بہت روشن و نمایاں ہوتے ہیں جن کو بیشتر اہل علم سمجھتے ہیں، اور بعض دقیق ہوتے ہیں جن کو خاص علماء سمجھتے ہیں، اس لئے بہت سے علماء کے قیاس نصوص کے مخالف ہوتے ہیں، اس لئے کہ قیاسِ صحیح کی حقیقت ان پر منکشف نہیں ہوتی، جس طرح بہت سے اہل علم پر نصوص میں جو دقیق دلائل

۱۔ مختصر الطحاوی: ص ۳۳۲۔

احکام پر دلالت کرتے ہیں، مخفی رہتے ہیں۔"(1)

اس سے ثابت ہوا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ حدیث پر نظر اور صحیح حدیث کا ادراک وبصیرت ان کے تلامذہ کی نظر میں مسلم تھا۔

صحیح حدیث کی شناخت

اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ محض سلسلہ اسناد سے حدیث کی صحت معلوم نہیں ہوتی، امام حاکم نیشاپوری (المتوفی ۴۰۵ھ) رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"إن الصحيح لا يعرف بروايته فقط إنما يعرف بالفهم و الحفظ و كثرة السماع"(2)

صحیح حدیث محض اپنے سلسلہ سند سے نہیں پہچانی جاتی، اس کی صحت تین باتوں سے معلوم ہوتی ہے۔

۱۔فہم وفراست، ۲۔حفظ، ۳۔کثرت سماع۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ بالا تینوں صفات سے بدرجہ اتم بہرہ ور ہیں، اس امر کا صحیح اندازہ امام موصوف رحمۃ اللہ علیہ کی تحصیل وطلب علم سے کیا جاسکتا ہے جو مختصراً ہدیہ ناظرین ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحصیل حدیث کا زمانہ

علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۷۴۸ھ نے تصریح کی ہے کہ موصوف نے حدیث کی تحصیل ۱۰۰ھ اور اس کے بعد کے سالوں میں کی ہے وہ لکھتے ہیں:

"انّ الإمام أبا حنيفة طلب الحديث و أكثر منه في سنة مئة و بعدها"(3)

بلاشبہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۰۰ھ اور اس کے بعد کے سالوں میں حدیث کی تحصیل کی اور بہت زیادہ کی ہے۔

۱۔اعلام الموقعین: ۲/ ۴۷۔ ۲۔معرفۃ علوم الحدیث، ص ۵۹ (النا سع عشر من علوم الحدیث)۔

۳۔سیر اعلام النبلاء، ج ۶، ص ۳۹۶۔

مورخ ذہبیؒ کے مذکورہ بالا بیان سے امام اعظم رحمہ اللہ کی ا۔طلب حدیث،۲۔ حدیث کی کثرتِ طلب، اور ۳۔طلب حدیث کے زمانے کی تعیین سے ایک محقق کے لئے بہت سے نئے علمی گوشے کھل جاتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ائمہ فن سے حدیث وآثار کا سماع

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے حدیث وآثار کا سماع ائمہ فن سے کیا ہے اور اس کے لئے سفر کئے، چنانچہ مورخ شمس الدین الذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"عنی بطلب الآثار وارتحل فی ذلک"[1]

موصوف نے حدیث وآثار کی طلب وجستجو میں توجہ کی اور اس کے لئے سفر کئے۔

ائمہ حدیث سے روایت......وسیلۂ تقرب

ائمہ حدیث کی سندیں عالی ہوتی ہیں، ان سے روایت کرنا رسول اللہ ﷺ سے تقرب حاصل کرنا ہے اور رسول اللہ ﷺ سے تقرب اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے، حاکم نیشاپوری، امام اعمش رحمہ اللہ کی سند سے حسب ذیل حدیث نقل کرتے ہیں:

"حدثنا ابو العباس محمد بن یعقوب حدثنا الحسن بن علی بن عفان العامری ثنا عبداللّٰہ بن نمیر عن الأعمش عن عبداللّٰہ بن مرّہ عن مسروق عن عبداللّٰہ بن عمرو قال قال رسول اللّٰہ ﷺ:" اربع من کن فیہ کان منافقاً خالصاً ومن کانت فیہ خصلۃ منھن کان فیہ خصلۃ من النفاق حتی یدعھا، اذا حدث کذب، واذا عاھد غدر، واذا وعد، اخلف و اذا خاصم فجر"[2]

ابوالعباس محمد بن یعقوب رحمہ اللہ نے بیان کیا، (ان سے) حسن بن علی بن عفان عامری رحمہ اللہ نے بیان کیا، (ان سے) عبداللہ بن نمیر رحمہ اللہ نے بیان کیا، (ان سے) اعمش رحمہ اللہ نے اور اعمش رحمہ اللہ سے عبداللہ بن مرہ رحمہ اللہ سے، (اس نے) مسروق رحمہ اللہ سے اس نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ رسالتمآب ﷺ نے فرمایا: کہ چار عادتیں

۱-ایضاً: ص ۳۹۲۔ ۲-معرفۃ علوم الحدیث: ص ۱۱۔

جس میں پائی جائیں وہ خالص منافق ہے، اور جس میں ان میں سے کوئی ایک خصلت پائی جائے اس میں نفاق کی ایک عادت پائی گئی، یہاں تک کہ وہ اس کو چھوڑ دے، جب کوئی بات بیان کرے جھوٹ بولے، اور جب کوئی معاہدہ کرے اس کا پاس نہ رکھے، جب وعدہ کرے اس کے خلاف کرے، جب جھگڑا کرے تو گالی بکے۔

امام حاکم رحمہ اللہ نے اعمش رحمہ اللہ کی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد حسب ذیل اصول بیان کیے ہیں۔

"فانّ الغرض فیہ القرب من سلیمان بن مھران الاعمش فان الحدیث لہ وھو امام من ائمۃ الحدیث و کذلک کل اسناد یقرب من الامام المذکور فیہ، فانہ اذا صحۃ الروایۃ الٰی ذالک الامام بالعدد الیسیر فانہ عال۔" (۱)

مذکورۂ بالا حدیث میں مقصد سلیمان بن مہران اعمش رحمہ اللہ سے قرب ظاہر کرنا ہے بلاشبہ یہ ان کی سند سے مروی ہے اور وہ ائمہ حدیث میں سے ایک امام فن ہے، اور اسی طرح ہر وہ سند جس میں امام موصوف سے قرب میسر ہو، پس اگر اس روایت کی صحت اس امام کی طرف معدودے چند راویوں سے ہو تو وہ سند عالی ہے۔

اس اصول کی روشنی میں یہ کہنا بجا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ امام فن بھی ہیں، اور مقبول امام مجتہد ہیں، ان کی سندیں عالی بھی ہیں، اور تقرب الٰہی کا ذریعہ بھی ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ائمہ حدیث سے راست روایتیں

علی بن المدینی رحمہ اللہ المتوفی ۲۳۴ھ کا بیان ہے کہ: میں نے (صحیح حدیثوں کی) سندیں دیکھیں تو وہ چھ ائمہ حدیث ہیں۔ (۲)

۱۔ اہل مدینہ میں محمد بن مسلم بن شہاب الزہری رحمہ اللہ (۵۸۔۱۲۴ھ/۶۷۸۔۷۴۲ء)

۲۔ اہل مکہ میں عمرو بن دینار المکی رحمہ اللہ، (۴۶۔۱۲۶/۶۶۶۔۷۴۳ء)

۳۔ اہل بصرہ میں قتادہ بن دعامہ البصری ؒ، (۶۱۔۱۱۸/۶۸۰۔۷۳۶ء)

۴۔ اہل یمن میں یحییٰ بن ابی کثیر الیمانی رحمہ اللہ (۰۰۔۱۲۹/۰۰۰۔۷۴۷ء)

۱۔ ایضاً۔ ۲۔ مقدمۃ الجرح والتعدیل: ۱/۵۹۔۶۰، المحدث الفاصل رص ۶۱۴، تذکرۃ الحفاظ: ۱/۱۱۱ و ۳۶۔

۵۔ اہل کوفہ میں ابو اسحاق السبیعی الہمدانی الکوفی رحمۃ اللہ علیہ (۳۳۔۱۲۷/۶۵۳۔۷۴۵ء
۶۔ سلیمان بن مہران اعمش کوفی رحمۃ اللہ علیہ (۶۱۔۱۴۸/۶۸۱۔۷۶۵ء)

ان مذکورہ بالا ائمہ حدیث کی اسانید سے بکثرت روایتیں صحاح ستہ میں منقول ہیں۔

امام ابو حنیفہ، یحییٰ بن ابی کثیر الیمانی رحمہما اللہ کے علاوہ تمام مذکورہ بالا ائمہ فن سے راست روایت کرتے ہیں، چنانچہ مورخ اسلام شمس الدین الذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے "سیر اعلام النبلاء" میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرے (۱) میں عمرو بن دینار، قتادہ، ابو اسحاق السبیعی، محمد بن مسلم بن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہم کے ناموں کی تصریح کی ہے اور حضرت اعمش کوفی رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرے (۲) میں موصوف سے روایت کا ذکر کیا ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ طبقۂ رابعہ کے نامور حفاظ حدیث میں

علامہ شمس الدین الذہبی رحمۃ اللہ علیہ جن کے متعلق حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ:
ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فن رجال میں کامل دست گاہ اور مہارت رکھتے ہیں۔ (۳) موصوف نے "کتاب المعین فی طبقات المحدثین" کے طبقۂ چہارم کے نامور محدثین میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ کیا ہے، جن کی علمی و تدریسی خدمات کا چرچا مشرق و مغرب ہر طرف پھیلا ہوا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ائمہ فن نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا شمار ان نامور حفاظ حدیث میں کیا ہے جن کی علمی و تدریسی خدمات کا اسلامی قلمرو کے مشرق و مغرب میں چرچا رہا ہے۔ چنانچہ مذکورہ بالا کتاب کے مقدمے میں رقم طراز ہیں کہ:

یہ مقدمہ احادیث و آثار نبویہ بیان کرنے والے نامور محدثین کرام کے ناموں کے بیان میں ہے، تاکہ دانشمند طلبہ کو بصیرت حاصل ہو اور صاحب افادہ محدث کو وہ باتیں یاد دلاتا ہے جن سے جاہل رہنا طلبہ کے لئے معیوب ہوتا ہے۔ یہ بڑے محدثین کے کامل ترین تذکرہ کی کتاب نہیں ہے، بلکہ ان محدثین کی نشاندہی کا مرقعہ ہے جن کا ذکر اطراف عالم میں ہر زمانہ میں ہر جگہ پھیلا ہوا ہے۔ (۴)

۱۔ سیر اعلام النبلاء: ۶/۳۹۶۔ ۲۔ ایضاً: ص ۲۲۷۔ ۳۔ شرح نخبۃ الفکر: ص ۱۱۲۔ ۴۔ کتاب المعین: ۱۷

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے "کتاب المعین" کی ترتیب یہ رکھی ہے، پہلا طبقہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے، پھر اکابر تابعین کا ہے، پھر ائمہ تابعین حسن بصری، مجاہد رحمہما اللہ، پھر تابعین کا تیسرا طبقہ زہری وقتادہ رحمہما اللہ کا ہے، چوتھا طبقہ امام اعمش رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قائم کیا ہے۔

اس سے مورخ اسلام علامہ ذہبی رحمہ اللہ کی نظر میں مشاہیر محدثین میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا وہی مقام ہے جو شیخ الاسلام حضرت اعمش رحمہ اللہ کا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا فقہائے امصار سے استفادہ

اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ائمہ اربعہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو یہ فخر حاصل ہے، کہ انہوں نے اس زمانے کی اسلامی دنیا اور اس کے علمی مرکز کے بہت سے فقہائے امصار سے استفادہ کیا، لیکن یہاں پر چند فقہائے امصار کے تذکرے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

۱۔ مفتی مکہ عطا بن ابی رباح رحمہ اللہ (۲۷۔۱۱۴ھ/ ۶۴۷۔۷۳۲ء)

یہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نامور شاگرد اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے سب سے بڑے استاد ہیں۔ (۱) ان کے متعلق امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول ہے:

عہد تابعین میں حضرت عطا اور حسن بصری رحمہما اللہ سے زیادہ فتوے دینے والا کوئی نہ تھا، اور مزید یہ کہ حرم مکہ کے مفتی حضرت عطا رحمہ اللہ تھے، اور بصرہ میں مفتی حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تھے۔ (۲)

۲۔ مکحول شامی رحمہ اللہ (۰۰۰۔۱۱۲ھ/ ۰۰۰۔۷۳۰ء)

مکحول رحمہ اللہ کا قول ہے:

"طفت الارض کلها فی طلب العلم۔"

میں نے علم کی طلب وجستجو میں اسلامی قلمرو کے اکثر شہروں کا سفر کیا۔

۱۔ سیر اعلام النبلاء: ۶/ ۳۹۱۔ ۲۔ مقدمہ ابن الصلاح: ص ۵۱۷

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

"العلماء اربعة سعيد بن المسيب بالمدينة والشعبي بالكوفة والحسن بالبصرة ومكحول في الشام۔" (۱)

علما چار ہیں، مدینہ میں سعید بن المسیب، کوفہ میں شعبی، بصرہ میں حسن اور شام میں مکحول رحمہم اللہ۔

سعید بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۶۷ھ فرماتے تھے:

"مكحول أفقه أهل الشام۔" (۲)

مکحول اہل شام میں سب سے بڑھ کر فقیہ تھے۔

۳۔ یزید بن ابی حبیب مصری رحمۃ اللہ علیہ (۵۳۔۱۲۵ھ/۶۷۲۔۷۴۵ء)

مورخ مصر ابوسعید بن یونس رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

"كان مفتي اهل مصر في ايامه وكان من اظهر العلم بمصر، والكلام في الحلال والحرام مسائل، وقيل انهم كانوا قبل ذلك يتحدثون بالفتن والملاحم والترغيب في الخير۔" (۳)

موصوف اپنے زمانے میں مصریوں کے مفتی تھے اور یہ پہلے عالم ہیں، جنہوں نے سرزمین مصر میں حدیث کو پھیلایا، اور حلال وحرام میں بحث کی، مسائل بیان کئے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اہل مصر کا اس سے پہلے موضوع سخن فتن، جنگ وجہاد کی داستانیں اور خیر کے کاموں میں شوق ورغبت تھا۔

۴۔ عامر بن شراحیل الشعبی رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۔۱۰۳ھ/۶۴۰۔۷۲۱ء)

یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے شیوخ میں سے ہیں۔ (۴) شعبی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

۱۔ سیر اعلام النبلاء: ۱۵۸/۵۔ ۲۔ ایضاً۔ ۳۔ ایضاً: ۳۲/۶۔

۴۔ تذکرۃ الحفاظ: ۷۹/۱۔

"ادرکت خمس مئة من اصحاب النبی ﷺ"۔(۱)

میں نے پانچ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پایا اور ان سے ملاقات کی ہے۔

مکحول رحمہ اللہ کا قول ہے:

"مارأیت أحدا اعلم من الشعبی۔"(۲)

میں نے شعبی سے بڑھ کر عالم نہیں دیکھا۔

ابومجلو رحمہ اللہ کا قول ہے:

"مارأیت افقہ من الشعبی و لاسعید بن المسیب ولاطاؤس ولا عطاء ولا الحسن ولا ابن سیرین فقدرأیت کلھم۔"(۳)

میں نے شعبی سے بڑھ کر فقیہ نہیں دیکھا۔ نہ سعید بن مسیب اور نہ طاؤس اور نہ حسن اور نہ ابن سیرین کوئی رحمہم اللہ ان کا ہمسر نہ تھا میں نے ان سب کو دیکھا ہے۔

لوگوں میں تین علماء تھے، ۱۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنے زمانے میں، ۲۔شعبی رحمہ اللہ اپنے زمانے میں، ۳۔سفیان ثوری رحمہ اللہ اپنے زمانے میں۔(۴)

ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ کا قول ہے:

"شعبی رحمہ اللہ کے پاس آثار کا علم تھا اور ابراہیم رحمہ اللہ کے پاس قیاس تھا۔"(۵)

ابن سیرین رحمہ اللہ کا قول ہے:

"قدمت الکوفة و للشعبی حلقة عظمة والصحابة کثیر۔"(۶)

میں کوفے گیا تو شعبی رحمہ اللہ کا حلقہ (درس) بہت بڑا تھا۔ اس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک کثیر تعداد بیٹھی ہوئی تھی،

۵۔ ابوعبدالرحمٰن طاؤس بن کیسان رحمہ اللہ (۳۳۔۱۰۶ھ/۶۵۳۔۷۲۴ء)

موصوف نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے حدیثیں سنی تھیں، مورخ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"سمع من زید بن ثابت، و عائشة، وابی ھریرة، و زید بن ارقم،

۱۔سیر اعلام النبلاء، ۴/۲۹۸۔ ۲۔ایضاً۔ ۳۔ایضاً، ۴/۲۹۹۔ ۴۔ایضاً، ۴/۳۰۰۔

۵۔تذکرۃ الحفاظ، ۱/۸۲۔ ۶۔سیر اعلام النبلاء، ۴/۳۰۲۔

وابن عباسؓ لازم ابن عباسؓ مدة وهو معدود في كبراء اصحابه رضي الله عنهم۔''(۱)

موصوف نے زید بن ثابت، عائشہ اور ابو ہریرہ اور زید بن ارقم اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے حدیثوں کا سماع کیا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی صحبت میں ایک مدت تک رہے ہیں، موصوف کا شمار ابن عباس رضی اللہ عنہما کے کبار تلامذہ میں کیا جاتا ہے۔

حضرت طاؤس رحمہ اللہ کا اپنا بیان ہے کہ:

میں نے پچاس صحابہ کرامؓ سے ملاقات کی ہے۔(۲)

حبیب بن ابی ثابت رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ:

''میرے پاس پانچ ایسی شخصیات یکجا ہوئی ہیں کہ ان جیسی شخصیات کسی کے پاس جمع نہیں تھیں ا۔عطاء، ۲۔طاؤس، ۳۔مجاہد، ۴۔سعید بن جبیر، ۵۔عکرمہ رحمہم اللہ۔''(۳)

مذکورہ بالا پانچ میں سے حضرت عطاء رحمہ اللہ اور حضرت طاؤس رحمہما اللہ سے راست استفادے کا فخر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو حاصل تھا۔ مورخ ذہبیؒ کا بیان ہے:

''طاؤس كان شيخ اهل اليمن و بركتهم و مفتيهم له جلالة عظيمة۔''(۴)

موصوف اہل یمن کے شیخ ہیں۔ ان کا وجود ان کے لئے باعث برکت ہے۔ اور یہ ان کے مفتی تھے، ان کی علمی شان و عظمت (اہل یمن کے یہاں) بڑی تھی۔

ان (فقہائے امصار) کی احادیث و فقہی آرا بعض کتاب الآثار میں اور بعض مسانید میں منقول ہیں۔

اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا علم کوفہ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں تھا۔ بلکہ امام صاحب کی شخصیت بلاد اسلامی کے علمی مرکزوں کے نامور حفاظ اور مشہور فقہائے امصار کے علوم کی جامع تھی۔

اس زمانے میں دینی قیادت و سیادت انہی فقہا و محدثین کو حاصل تھی جو بڑھ چڑھ کر دین کی خدمت میں مشغول رہتے تھے، مجتہدین ائمہ اربعہ میں یہ سعادت و قبولیت

۱۔ایضا، ۵/۳۹۔ ۲۔ایضا، ۵/۴۳۔ ۳۔ایضا۔ ۴۔تذکرۃ الحفاظ: ۱/۹۰۔

بلاشبہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو حاصل ہے، ذٰلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء
یادرکھئے حرمین، مکہ ومدینہ، عراقین، کوفہ وبصرہ، مصروشام اوریمن یہی مرکزی شہر تھے، جہاں پہلی اور دوسری صدی ہجری میں فقہ وحدیث کا بازار گرم تھا، اور معمول بہا سنت کا ذخیرہ جن سے احکام کا استخراج واستنباط کیا جاسکتا تھا، انہی فقہاء ومحدثین کے پاس موجود ومحفوظ تھا۔ اس سے یہ حقیقت بھی عیاں ہوجاتی ہے کہ دوسری صدی کے آخر میں جن ائمہ تابعین کے پاس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا علم محفوظ تھا اس کا جامع فقہ حنفی ہے۔

مجتہدین ومکثرین صحابہ رضی اللہ عنہم کے علوم وروایات کا جامع امام

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو کثرت سے روایت کرنے والے حفاظ حدیث اور مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم کا علم ان کے نامور تلامذہ سے حاصل کرنے کی سعادت حاصل ہے، چنانچہ مورخ خطیب بغدادی رحمہ اللہ (المتوفی ۴۶۳ھ) نے اپنی سند سے ربیع بن انس رحمہ اللہ بیان نقل کیا ہے کہ: ابوحنیفہ رحمہ اللہ، ابوجعفر منصور عباسی رحمہ اللہ (۹۵۔۱۵۸ھ/۷۱۴۔۷۷۵ء) کے پاس آئے، وہاں اس کا وزیر عیسیٰ بن موسیٰ رحمہ اللہ بیٹھا تھا، اس نے خلیفہ سے کہا کہ: امام موصوف اس وقت دنیا کے سب سے بڑے عالم ہیں، منصور رحمہ اللہ نے امام اعظم رحمہ اللہ سے پوچھا: تم نے کن سے علم حاصل کیا؟ فرمایا میں نے عمرؓ کے شاگردوں کے واسطے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے، حضرت علیؓ کے شاگردوں کے واسطے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کے واسطے سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے زمانے میں روئے زمین پر ان سے بڑھ کر کوئی عالم نہ تھا، یہ سن کر اس نے کہا تم (ابوحنیفہؒ) نے خود کو خوب پختہ عالم بنایا۔[1]

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذکورہ بالا بیان سے علوم میں وسعت وتنوع اور جامعیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ ائمہ اربعہ میں مجتہدین صحابہؓ اور کثرت سے حدیثیں روایت کرنے والے صحابہؓ کے علوم کے جامع تھے، اور ان کے پاس احادیث وآثار کا سرمایہ

۱۔ تاریخ بغداد: ۱۳/ ۳۳۴۔

دوسرے ائمہ کی نسبت زیادہ وسیع تھا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی بعض اسانید زمرۂ اصح الاسانید میں

۱۔ ابوحنیفہ عن عطاء بن ابی رباح عن ابن عباسؓ۔

۲۔ ابوحنیفہ عن نافع عن ابن عمرؓ کو زمرۂ اصح الاسانید میں شمار کیا گیا ہے۔

جس طرح مالک عن نافع عن ابن عمر

صحیح ترین سند ہے، یہی حکم ابوحنیفہ عن ابن عمر کا ہونا چاہئے۔ (۱)

۳۔ اہل عراق کی عظیم ترین اور صحیح ترین سند سفیان عن منصور عن ابراہیم عن علقمہ عن عبداللہ ہے۔ (۲)

یہی حکم ابوحنیفہ عن منصور عن ابراہیم عن علقمہ عن عبداللہ کا ہونا چاہئے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی عالی صفت سے آراستگی

ائمہ اربعہ میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے یہاں اسانید میں دوسرے ائمہ کی بہ نسبت واسطے کم پائے جاتے ہیں، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ موصوف تابعی ہیں، ان کی حدیثیں ثنائی یعنی بعض بہ دو واسطہ اور بعض وحدان بہ یک واسطہ مروی ہیں۔ دیگر ائمہ جیسے امام مالک رحمہ اللہ کہ وہ تبع تابعی ہیں، ان کے یہاں سند میں واسطے بڑھ جاتے ہیں، اور امام اوزاعی رحمہ اللہ بھی تبع تابعی ہیں، ان کے یہاں بھی واسطے زیادہ پائے جاتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے یہاں وحدان پائی جاتی ہیں، ان کے معاصرین امام مالک اور امام اوزاعی رحمہما اللہ کے یہاں وحدان (بہ یک واسطہ روایت) نہیں پائی جاتی۔

ائمہ فن کا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے احکام ونظریات سے اعتناء

اصول حدیث کی کتابوں میں ائمہ فن قدماء ومتاخرین کا اپنی تصانیف میں امام

۱۔ مکانۃ الامام ابی حنیفۃ فی الحدیث: ص ۸۲، ۸۳۔

۲۔ سیر اعلام النبلاء: ۲۳۶/۷، معرفۃ علوم الحدیث، ص ۵۵۔

اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نظریات وآثار سے اعتناد بحث کرنا اس امر کا نہایت بین ثبوت ہے کہ، اصول حدیث کی کتابوں میں موصوف کے نظریات کو نہایت بلند مقام حاصل ہے۔

یہ امر واقعہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا شمار بلند پایہ حفاظ حدیث میں کیا جاتا ہے۔"تذکرۃ الحفاظ" کے موضوع پر کم وبیش ہر کتاب میں موصوف کا تذکرہ کیا گیا ہے۔اس باب میں ان کی ثقاہت بھی مسلم ہے، چنانچہ حافظ احمد بن عبداللہ العجلی رحمہ اللہ (۱۸۲۔۲۶۱) نے"تاریخ الثقات "میں موصوف کا تذکرہ کیا ہے۔[1] جو ان کی ثقاہت کی دلیل ہے۔

دوسری صدی ہجری میں سنن وآثاراوراحکام کے ائمہ اورامام اعظم ابوحنیفہؒ

دوسری صدی ہجری میں سنن وآثاراوراحکام کاعلم تین ائمہ فن میں دائر وسائر سمجھا جاتا تھا۔چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے تھے:

"العلم یدور علی ثلاثة : مالک، واللیث، و ابن عیینة۔"

سنن و آثار اور احکام کا تین ائمہ فن امام مالک (۹۳۔۱۷۹ھ/ ۷۱۲۔۷۹۵ء)لیث (۹۴۔۱۷۵ھ/۷۱۳۔۷۹۱ء) اورابن عیینہ رحمہم اللہ (۱۰۷۔۱۹۸ھ/ ۷۲۵۔۸۱۴ء) میں دائر وسائر ہے۔[2]

امام شافعی رحمہ اللہ کے مذکورۂ بالا مقولے پر مورخ اسلام علامہ شمس الدین الذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: دوسری صدی ہجری میں علم سنن وآثار کو ان تین ائمہ حدیث میں محدود و منحصر کرنا صحیح نہیں،ان کے ساتھ سات ائمہ فن اور بھی ہیں۔اوروہ یہ ہیں:۱۔اوزاعی (۸۸۔۱۵۷ھ/ ۷۰۷۔۷۷۴ء)، ۲۔سفیان ثوری (۹۷۔۱۶۱ھ/ ۷۱۶۔۷۷۸ء)، ۳۔معمر (۹۵۔۱۵۳ھ/ ۷۱۳۔۷۷۰ء)، ۴۔ابوحنیفہ (۸۰۔۱۵۰ھ/ ۶۹۲۔۷۶۷ء)، ۵۔شعبہ(۸۲۔۱۶۰ھ/ ۷۰۰۔۷۷۶ء)،۶۔حماد بن مسلم (۰۰۔۱۶۷ھ/ ۰۰۔۷۸۴ء)، ۷۔حماد بن زید رحمہم اللہ (۹۸۔۱۷۹ھ/ ۷۱۷۔۷۹۵ء)۔[3]

۱۔تاریخ الثقات: رص ۴۵۰۔ ۲۔سیر اعلام النبلاء: ۸/۹۴،(ترجمہ امام مالک)۔ ۳۔ایضاً:۔

حافظ شمس الدین الذہبی الشافعی رحمہ اللہ کے بیان سے یہ حقیقت عیاں (ہویدا) ہو جاتی ہے کہ: سنن وآثار کے علوم میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ وہی مرتبہ ومقام ہے، جو امام مالک، ابن عیینہ، شعبہ، حماد بن مسلم، معمر، سفیان ثوری لیث اور حماد بن زید رحمہم اللہ کا ہے، ان میں سے اکثر کی روایات بکثرت صحاح ستہ میں موجود ہیں، جیسا کہ ان کے رموز اور علامات سے ظاہر ہے۔

ائمۂ جرح وتعدیل کے یہاں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مقام

اس امر کی صداقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ متشدد ائمہ جرح وتعدیل کے طبقہ اولی، ثانیہ، ثالثہ اور رابعہ میں کسی امام سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی جرح نقل نہیں، بلکہ ان سے امام اعظم کی توثیق منقول ہے۔

طبقۂ اولیٰ

طبقۂ اولیٰ میں امیر المومنین فی الحدیث شعبہ (۸۰۔۱۶۰ھ/ ۷۰۱۔۷۷۶ء) اور سفیان ثوری رحمہما اللہ (۹۷۔۱۶۱ھ/ ۷۲۲۔۸۱۲ء) کا شمار ہے اور شعبہ کے متعلق امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے۔

"لولا شعبة لما عرف الحديث بالعراق۔" (۱)

شعبہ اگر نہ ہوتے تو عراق میں حدیث کا جاننے والا کوئی نہ ہوتا۔

لیکن جرح کرنے میں شعبہ رحمہ اللہ، سفیان ثوری رحمہ اللہ سے زیادہ سخت اور تیز ہیں اور شعبہ رحمہ اللہ اولاً خود کوفی المذہب اور امام اعظم رحمہ اللہ کے پیروکار ہیں۔ (۲)

ثانیاً امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد ابو الولید طیالسی رحمہ اللہ (۱۳۳۔۲۲۷ھ) کا بیان ہے:

"كان شعبة حسن الذكر لأبي حنيفة كثير الدعاء له ما سمعته قط يذكر بين يديه الّا دعاله۔" (۳)

۱۔ تذکرۃ الحفاظ: ۱/۱۹۳، ر ۱۰۷۔ ۲۔ میزان الاعتدال: ۱/۵۹۳، (ر ۲۲۵۱)۔ ۳۔ الانتقاء، ص ۱۲۷۔

شعبہ، ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو اچھے الفاظ سے یاد کرتے اور ان کے حق میں بہت دعا کرتے تھے، میں نے انہیں نہیں سنا کہ ان کے سامنے جب کبھی ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ذکر کیا گیا ہو، مگر انہوں نے موصوف کے لئے دعا کی۔

اور یحییٰ بن معین رحمہ اللہ المتوفی ۲۳۳ھ کا بیان ہے:

"هذا شعبة بن الحجاج يكتب إليه أن يُحدِّث ويأمره و شعبة شعبة"(۱)

شعبہ بن الحجاج رحمہ اللہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو لکھتے تھے کہ، حدیث بیان کریں، اور انہیں اس کے بیان کرنے کا حکم دیتے تھے، اور شعبہ تو شعبہ ہیں۔

امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ رحمہ اللہ کسی سے کہیں اور اسے حکم دیں، خیال فرمائیں وہ کس درجہ کا محدث وحافظ حدیث ہوگا۔!

طبقہ ثانیہ

طبقہ ثانیہ میں سید الحفاظ یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ (۱۲۰۔ ۱۹۸ھ/ ۷۳۷۔۸۱۳ء) اور عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ (۱۳۵۔۱۹۸ھ/ ۷۵۲۔۸۱۴ء) داخل ہیں۔ یحییٰ القطان رحمہ اللہ کے متعلق امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول ہے:

"ما رأيت بعيني مثل يحيىٰ بن سعيد القطان۔"(۲)

میری آنکھوں نے یحییٰ بن القطان رحمہ اللہ کا نظیر نہیں دیکھا۔

اور حافظ عصر امام حدیث وعلل علی بن المدینی رحمہ اللہ (۱۶۱۔۲۳۴ھ) کا بیان ہے:

"ما رأيت أحد أعلم بالرجال منه۔"(۳)

میں نے یحییٰ رحمہ اللہ سے بڑھ کر رجال کا عالم نہیں دیکھا۔

یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ جرح کرنے میں ابن مہدی رحمہ اللہ سے زیادہ سخت ہیں، ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے "الانتقاء" میں یحییٰ رحمہ اللہ کا یہ قول بصراحت نقل کیا ہے:

۱۔ الانتقاء: ص ۱۲۶، اخبار ابی حنیفہ واصحابہ للصیمری: ص ۸۰۔ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ: ۱/۲۹۸، (ر۲۸۰)

۳۔ ایضاً۔

"لانکذب اللہ عزوجل، کم من شئی حسن قالہ أبو حنیفۃ، و ربما استحسنّا الشیٔ من رأی ابی حنیفۃ و اخذنا" (1)

ہم جھوٹ نہیں بولتے، واللہ بہت سی اچھی باتیں ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہی ہیں اور ہم نے ان کی بہت سی باتوں کو اچھا سمجھا اور ان پر عمل کیا۔

یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

"کان یحییٰ بن سعید یذھب فی الفتویٰ مذھب الکوفیین" (2)

یحییٰ بن سعید القطان رحمۃ اللہ علیہ کوفیوں کے مذہب کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔

یحییٰ بن سعید القطان رحمۃ اللہ علیہ، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث دانی کے متعلق فرماتے ہیں:

"واللہ لأعلم ھذہ الامۃ بماجاء عن اللہ ورسولہ۔" (3)

اللہ کی قسم ابوحنیفہؒ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو کچھ وارد ہوا ہے اس کے سب سے بڑے عالم تھے۔

طبقہ ثالثہ:

طبقہ ثالثہ میں سید الحفاظ یحییٰ بن معین (۱۰۸۔۲۳۳ھ/ ۷۷۵۔۸۴۸ء) اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ (۱۶۴۔۲۴۱ھ/۷۸۱۔۸۰۰ء) ہیں۔

یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی بہ نسبت جرح کرنے میں زیادہ تیز ہیں۔ یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے۔

"انتھیٰ علم الناس إلی یحییٰ بن معین۔" (4)

علماء کا علم یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ پر ختم ہے۔

اور اس امر کا اعتراف امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ہے، وہ فرماتے ہیں:!

۱۔ تاریخ بغداد: ۱۳/۳۳۵۔۳۳۶، الانتقاء، ص ۲۰۲، تہذیب الکمال للمزی: ۱۹/۱۱۱۔

۲۔ تاریخ بغداد: ۱۳/۳۳۵، الانتقاء: ص ۱۳۲، تھذیب الکمال: ۳۰/۱۳۱۷۔

۳۔ مقدمہ کتاب التعلیم: ۱۳۳۔ ۴۔ تذکرۃ الحفاظ: ۲/۴۳۰۔

"یحییٰ بن معین اعلمنا بالرجال۔"(۱)

یحییٰ بن معین رحمہ اللہ ہم میں رجال کے سب سے بڑے عالم ہیں۔

یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو "صدوق" بہت سچا قرار دیا ہے۔ چنانچہ حافظ مغرب علامہ ابن عبدالبر القرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ اے ابوزکریا! (یہ یحییٰ کی کنیت ہے) ابوحنیفہ رحمہ اللہ روایت حدیث میں صدوق ہیں؟ جواب دیا: جی ہاں وہ صدوق (ہمیشہ سچ بولنے والے) تھے۔(۲)

یحییٰ رحمہ اللہ کا قول ہے:

"ثقة ماسمعت احداً ضعفه۔"(۳)

ابوحنیفہ ثقہ ہیں میں نے کسی کو انہیں ضعیف کہتے نہیں سنا۔

اور صالح بن محمد الاسدی الحافظ رحمہ اللہ کا بیان ہے:

"سمعت یحییٰ بن معین یقول کان ابوحنیفة ثقة فی الحدیث"(۴)

میں نے یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ حدیث میں ثقہ اور معتبر تھے۔

محمد بن سعد العوفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"سمعت یحییٰ بن معین یقول: کان ابوحنیفة ثقة، لا یحدث بالحدیث إلّا بما یحفظه ولا یحدث بمالم یحفظ"۔(۵)

میں نے یحی بن معین رحمہ اللہ سے سنا: ابوحنیفہ رحمہ اللہ حدیث میں قابل اعتبار اور ثقہ ہیں، صرف وہی حدیثیں بیان کرتے ہیں جو انہیں یاد ہوتی ہے، اور جو حدیثیں یاد نہ ہو وہ بیان نہیں کرتے۔

۱-ایضاً۔ ۲-جامع بیان العلم:۲/۱۴۹۔ ۳-الانتقاء:ص ۱۲۷۔
۴-تہذیب الکمال:۱۹/۱۰۵۔ ۵-ایضاً۔

طبقۂ رابعہ

طبقۂ رابعہ میں امام حافظ کبیر ابوحاتم محمد بن ادریس حنظلی رازی رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۵۔۲۷۷ھ/ ۸۱۱۔۸۹۱ء) اور محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/ ۸۱۰۔۸۷۰ء) کا شمار ہوتا ہے، اور ابوحاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ جرح کرنے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلے میں زیادہ سخت واقع ہوئے ہیں، اسی طرح علی ابن المدینی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی متشدد سمجھا جاتا ہے۔ اور وکیع رحمۃ اللہ علیہ کو بھی متشدد خیال کیا جاتا ہے۔ ان سے کوئی جرح منقول نہیں موصوف کے متعلق، سید الحفاظ یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ما رایت احدا اقدمه علی وکیع کان یفتی برای ابی حنیفة و کان یحفظ حدیثه کله و کان قدسمع من ابی حنیفة حدیثاً کثیرا" (۱)

میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ میں اسے وکیع رحمۃ اللہ علیہ پر ترجیح دوں، وہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر فتویٰ دیتے تھے، اور وہ اپنی تمام حدیثوں کے حافظ تھے اور انہوں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بہت زیادہ حدیثیں سنی تھیں۔

ائمہ فن حدیث امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث روایت کرتے ہیں یہ فن حدیث میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مہارت وثقاہت کی روشن دلیل ہے۔

چنانچہ علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے سفیان ثوری (۹۷۔۱۶۱ھ/ ۷۱۶۔۷۷۸ء) عبداللہ بن مبارک (۱۱۱۔۱۸۱ھ/ ۷۳۶۔۷۹۷ء) وکیع بن الجراح (۱۲۹۔۱۹۷ھ/ ۷۴۶۔۸۱۲ء) عباد بن العوام (۸۸۔۱۸۵ھ/ ۷۳۶۔۸۰۱ء) اور جعفر بن عون رحمۃ اللہ علیہم (۱۱۰۔۲۰۷ھ/ ۷۲۸۔۸۲۲ء) نے روایت کی ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ثقہ ہیں ان سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ (۲)

مذکورہ بالا ائمہ فن حدیث میں مجتہد مطلق امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں، جن کا مذہب جامع الترمذی میں ذکر کیا جاتا ہے، اسی طرح فقہاء میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاد

۱۔ جامع بیان العلم: ۲؍۱۴۹۔ ۲۔ ایضاً۔

امام عراق حماد بن ابی سلیمان رحمہ اللہ المتوفی ۱۲۰ھ بھی ہیں۔ جنہوں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کی ہے۔ (۱)

طبقۂ اولیٰ، ثانیہ، ثالثہ میں حنفی ائمہ فن جرح وتعدیل

شعبہ، امام یحییٰ بن سعید القطان اور یحییٰ بن معین رحمہم اللہ سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی توثیق منقول ہے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دوسری صدی ہجری میں ائمہ فن حدیث و ائمہ جرح وتعدیل ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کرتے تھے۔ اس سے بڑھ کر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ثقاہت کی اور کونسی روشن دلیل پیش کی جاسکتی ہے۔ یہ وہ ائمہ فن ہیں جن کی اجتہادی آرا و اقوال سے فن رجال کی کتابیں بھری ہوئی ہیں اور راویان حدیث وآثار کی ثقاہت کے فیصلے کیے جاتے ہیں اور انہی کے اقوال وآثار کی تقلید کی جاتی ہے۔

فنِ جرح وتعدیل میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مرتبہ

فن جرح و تعدیل میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو جو بلند مقام حاصل ہے اس کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ ائمہ فن ان کے اقوال کو کتابوں میں اپنی سند سے نقل کرتے اور بطور سند پیش کرتے ہیں۔

چنانچہ امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ المتوفی ۲۷۹ھ "کتاب العلل" میں فرماتے ہیں:

"أبو حنيفة يقول: ما رأيت احدًا أكذب من جابر الجعفي ولا افضل من عطاء بن أبي رباح۔" (۲)

ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: میں نے جابر جعفی سے بڑھ کر جھوٹا، اور حضرت عطا بن ابی رباح رحمہ اللہ سے افضل کسی کو نہیں دیکھا۔

اور حافظ عبداللہ بن عدی جرجانی رحمہ اللہ المتوفی ۳۶۵ھ نے "الکامل فی ضعفاء الرجال" میں اس بات کو ان الفاظ سے نقل کیا ہے:

۱- جامع المسانید: ۱/۵۵۵۔ ۲- الصحیح الترمذی: ۶/۲۳۳، تہذیب الکمال: ۱۹/۱۱۸۔

"ما رأيت فيمن لقيت افضل من عطا بن أبي رباح ولا لقيت أكذب من جابر الجعفي۔" (1)

میں نے جن لوگوں کو دیکھا ہے ان میں عطا بن ابی رباح رحمہ اللہ سے بڑھ کر کسی کو افضل نہیں پایا، اور میں جن سے ملا ان میں جابر جعفی سے زیادہ جھوٹا نہیں دیکھا۔

مذکورۂ بالا ائمہ فن اپنی سند سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول نقل کرنا امام موصوف کی ثقاہت اور فن جرح وتعدیل میں ان کی مہارت وامامت کی روشن دلیل ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی فقہ وحدیث پر نظر اور صحیح حدیث کا ادراک وبصیرت

فنون حدیث میں تفقہ ایک اہم عنصر ہے اور نصف علم کی حیثیت رکھتا ہے، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد حافظ علی بن المدینی رحمہ اللہ المتوفی ۲۳۴ھ کا قول ہے:

"التفقه في الحديث نصف العلم، و معرفة الرجال نصف العلم" (۲)

علم حدیث میں فقہی بصیرت حاصل کرنا آدھا علم ہے اور معرفت رجال آدھا علم ہے۔

مذکورہ بالا دونوں علموں میں اگر کسی کو وقت نظر ومہارت فن حاصل ہے تو اسے بلاشبہ حدیث کا پورا علم حاصل ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جن محدثین کو فقہی بصیرت حاصل نہیں وہ کامل محدث نہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ میں یہ دونوں باتیں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ امام موصوف کی فقہی بصیرت اور دینی تفقہ کے متعلق مجتہد مطلق امام شافعی رحمہ اللہ المتوفی ۲۰۴ھ کا قول ہے:

"الناس عيال أبي حنيفة في الفقه۔" (۳)

فقہ میں لوگ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بال بچے ہیں۔

یہی بات امام موصوف سے ان الفاظ میں بھی منقول ہے:

۱- الکامل فی ضعفاء الرجال: ۱/۵۲۷، کتاب الضعفاء الکبیر: ۱۲۷/۳، جامع بیان العلم وفضلہ: ۱۳۵/۲۔

۲- المحدث الفاصل: ص ۳۲۰۔ ۳- الانتقاء: ص ۱۳۶، تہذیب الکمال: ۱۱۱/۱۹۔

"الناس في الفقه عيال على ابي حنيفه۔"(1)

لوگ فقہ میں ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی اولاد ہیں۔

حافظ مغرب علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ المتوفی ۴۶۳ھ نے امام شافعی رحمہ اللہ سے اس حقیقت کو ان الفاظ سے بھی نقل کیا ہے:

"من اراد الفقه فهو عيال ابى حنيفه۔"(2)

جو فقہ وفقہی بصیرت حاصل کرنا چاہے وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا محتاج ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ سے یہ الفاظ بھی منقول ہیں:

"من ارادان يتبحر في الفقه فهو عيال ابى حنيفة۔"(3)

جو فقہ میں عبور وتبحر چاہتا ہو وہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا محتاج ہے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی حجازی ائمۂ فن سے بھی حدیث کی تحصیل

قاضی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی حدیث میں وسعت ووقت نظر کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ موصوف نے عراق ہی کے حفاظ وفقہاء اور محدثین سے سنن وآثار کا سماع نہیں کیا تھا بلکہ حجاز کے نامور حفاظ وفقہا ومحدثین سے بھی احادیث وآثار کا سماع کیا تھا، چنانچہ عباسی خلفاء میں پہلا خلیفہ ابوالعباس السفاح عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس رحمہ اللہ (۱۰۴۔۱۳۶ھ/۷۲۲۔۷۵۴ء) جب ۱۳۲ھ میں برسر اقتدار آیا تو اس نے مدینہ کے نامور عالم امام مالک رحمہ اللہ کے استاد وشیخ ربیعۃ الرای رحمہ اللہ (۰۰۔۱۳۶ھ) کو انبار (کوفہ) بلایا تاکہ عراق میں قضا کا منصب ان کے سپرد کیا جائے۔(4)

اس حقیقت سے بھلا کون انکار کرسکتا ہے کہ اسلام میں عہد رسالت ہی سے منصب قضا ارباب فتویٰ کو دیا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، علی المرتضیٰ، عبداللہ بن مسعود، معاذ بن جبل، ابی بن کعب رضی اللہ عنہم وغیرہ سب ہی اصحاب الرائے اور ارباب فتویٰ تھے۔ جیسا کہ ان کے فتووں میں اس امر کی صراحت گزر گئی ہے۔

۱۔ تاریخ الاسلام: ۷: ۳۰۷، شذرات الذہب: ۱/۳۲۸۔ ۲۔ تاریخ بغداد: ۱۳/۳۴۶۔

۳۔ تہذیب الکمال، ج ۱۹، ص ۱۱۱۔ ۴۔ تاریخ بغداد: ۸/۴۲۱۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں تفقہ اور فقہی بصیرت کو کیسا بلند مقام حاصل رہا ہے۔

ابوالعباس سفاح رحمہ اللہ کی وفات کے بعد اس کا بھائی ابوجعفر المنصور عبداللہ بن محمد عباسی رحمہ اللہ (۹۵۔۱۵۸ھ/۷۱۴۔۷۷۵ء) ۱۳۶ھ میں برسر اقتدار آیا، اس نے ہاشمیہ سے دارالخلافہ ۱۴۵ھ میں بغداد منتقل کیا تو مدینہ منورہ کے نامور علما کو بغداد بلایا چنانچہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ رقم طراز ہیں۔

''خلیفہ عباسی ابوجعفر منصور رحمہ اللہ نے اپنے دور خلافت ۱۳۶۔۱۵۸ھ میں حجاز کے علما حفاظ حدیث اور فقہا و محدثین کو عراق دارالخلافہ (کوفہ) بلایا تاکہ وہ علوم کی نشر و اشاعت کریں، چنانچہ ہشام بن عروہ (۶۱۔۱۴۶ھ/ ۶۸۰۔۷۶۳ء) محمد بن اسحاق (۰۰۔۱۵۱ھ/۰۰۔۷۶۸ء) یحییٰ بن سعید الانصاری (۰۰۔۱۴۳ھ/ ۰۰۔۷۶۰ء) ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن (۰۰۔۱۳۶ھ/ ۰۰۔۷۵۲ء) حنظلہ بن ابی سفیان جمحی (۰۰۔۱۵۱ھ/ ۰۰۔۷۶۸ء) عبدالعزیز عبداللہ بن ابی سلمہ ماجشون رحمہم اللہ (۰۰۔۱۶۴ھ/۰۰۔۷۸۰ء) وغیرہ آئے تو امام ابویوسف رحمہ اللہ ان کی تعلیمی مجالس میں حاضر ہوتے اور ان سے حدیث سیکھتے تھے اور جو علما حجاز سے آئے ان لوگوں سے بہت زیادہ حدیثیں سنی ہیں۔ انہی وجوہ و اسباب کی وجہ سے یہ کہا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگردوں میں قاضی ابویوسف رحمہ اللہ حدیث کے بڑے عالم تھے۔''(۱)

معلوم ہوتا ہے کہ ۱۳۲۔۱۳۶ھ کے درمیانی زمانے میں قاضی ابویوسف رحمہ اللہ نے حجازی علماء سے حدیثوں کا سماع کیا تھا، اس لئے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگردوں میں امام ابویوسف رحمہ اللہ کو سنن و آثار کا سب سے بڑا عالم مانا جاتا ہے۔

فقہ حدیث اور حدیث میں امام ابویوسف رحمہ اللہ کا مقام و مرتبہ

امام ابویوسف رحمہ اللہ کو فقہ حدیث اور حدیث میں جو بلند مقام حاصل ہے، اس کے متعلق علامہ شمس الدین الذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وافقه أصحابه ابو يوسف۔''(۲)

۱۔ مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲/۳۰۷۔ ۲۔ سیر اعلام النبلاء: ۲۳۶/۵، (ترجمہ حماد بن ابی سلیمان)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سب سے بڑھ کر فقیہ ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ تھے، انہوں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے سترہ برس استفادہ کیا تھا، چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں:

"صحبت اباحنیفة سبع عشرة سنة۔"(1)

میں علم حاصل کرنے کے لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں سترہ برس رہا ہوں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نامور شاگرد امام مزنی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۲۶۴ھ فرماتے ہیں:

"اتبعهم للحديث۔"(2)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سب سے بڑھ کر حدیث کا اتباع کرنے والے ہیں۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

"كان يعقوب ابويوسف منصفافي الحديث۔"(3)

امام ابو یوسف یعقوب رحمۃ اللہ علیہ حدیث میں انصاف پسند تھے۔

قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے شاگرد سید الحفاظ یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۲۳۳ھ فرماتے ہیں:

"مارأيت في اصحاب الرأى اثبت في الحديث ولا احفظ ولا اصح رواية من ابي يوسف۔"(4)

میں نے اصحاب الرای میں قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ مضبوط ومعتبر راوی اوران سے بڑھ کر حافظ حدیث اورزیادہ صحیح روایت کرنے والا نہیں دیکھا۔

قولِ صحابی کی اہمیت......امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ صحابی رضی اللہ عنہ کے قول کے مقابلے میں قیاس کو چھوڑ دیتے تھے، چنانچہ نامور حنفی فقیہ ابوبکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاد امام ابوالحسن کرخی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی

۱- مناقب الامام ابی حنیفہ وصاحبیہ: ص ۴۱۔ ۳- تاریخ بغداد: ۱۴/۲۴۷، تذکرہ محمد بن الحسن الشیبانی ص ۱۴۰/۲۳۶۔

۲- ایضاً: ۱۴/۲۴۷۔ ۴- مناقب الامام ابی حنیفۃ وصاحبیہ: ص ۴۰

۳۴۸ھ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

"كان ابو الحسن يقول: كثيراً مما أرى لابي يوسف في إضعاف مسألة يقول: القياس كذا، إلّا أني تركته للاثر، و ذلك الأثر قول صحابي لاتعرف عن غيره من نظرائه خلافه،

قال ابو الحسن:" فهذا يدل من قوله دلالة بينة علىٰ أنه كان يرىٰ ان تقليد الصحابي اذا لم نعلم خلافه من أهل عصره أولىٰ من القياس ـ"(۱)

ابوالحسن کرخی رحمہ اللہ فرماتے تھے: میں نے بہت مرتبہ دیکھا ہے کہ وہ مسئلہ کی کمزوری کو (بتاتے ہوئے) فرماتے تھے: قیاس یہی ہے مگر میں نے قیاس کو اثر کی وجہ سے چھوڑا ہے، اور وہ "اثر" صحابی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اس قول میں اس صحابی کے نظیر و ہمسروں کا خلاف معلوم نہیں ہوتا۔ ابوالحسن کرخی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کا یہ قول اس امر کی دلیل ہے کہ وہ صحابی کی تقلید کو اگر ان کے معاصرین سے اس کا خلاف معلوم نہ ہو تو قیاس سے بہتر قرار دیتے ہیں۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سنن و آثار کا دائرہ کتنا وسیع تر سمجھتے ہیں، اور کس حد تک ان کی رعایت کرتے اور ان پر عمل پیرا رہتے ہیں۔

مذکورہ بالا صفات کا جامع حافظ امام مجتہد اور صحبت یافتہ شاگرد اپنے استاد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی صحبت میں دقت نظر و فقہی بصیرت کا ذکر یوں کرتا ہے:

"ما رأيت احداً اعلم بتفسير الحديث و مواضع النكت التي فيه من الفقه ربما ملت الى الحديث و كان هو ابصر بالحديث الصحيح ـ"(۲)

میں نے حدیث کی تفسیر و تشریح کرنے والا، نکات و اسرار حدیث کا سمجھنے والا، اور صحیح حدیث کا ادراک کرنے والا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے زیادہ کوئی نہیں دیکھا، بارہا ایسا ہوا کہ میں حدیث کو دیکھ کر اس کی طرف مائل ہوا لیکن حقیقت میں صحیح حدیث کی بصیرت مجھ سے بڑھ کر انہیں حاصل تھی۔

۱۔ اصول الجصاص: ۲/۱۷۲، اصول السرخی: ۲/۱۰۵، الکرخی اصول الفقہ: ۲/۸۲۔ ۲۔ تاریخ بغداد: ۱۳/۳۴۰

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی فقہی حدیثوں پر نظر کیسی وسیع اور گہری تھی، اور فقہی اسرار و نکات کی رسائی میں وہ اپنے تمام معاصرین سے ممتاز تھے۔

حافظ اسرائیل بن یونس السبیعی رحمہ اللہ المتوفی ۱۶۲ھ فرماتے ہیں:

"كان نعم الرجل النعمان، ما كان احفظه لكل حديث فيه فقه، و اشد فحصه عنه و اعلمه بمافيه من الفقه۔"(۱)

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ بہت اچھے آدمی تھے ان سے زیادہ کسی کو وہ حدیثیں یاد نہ تھیں، جن میں فقہ حدیث کی باتیں موجود ہیں اور ان سے زیادہ کسی نے اس کی کاوش و جستجو نہیں کی اور نہ ان سے زیادہ فقہ حدیث کا کوئی جاننے والا موجود ہے۔

امام لغت و حافظ حدیث نضر بن شمیل بصری رحمہ اللہ المتوفی ۲۰۳ھ کہتے ہیں:

كان النّاس نياما عن الفقه حتىٰ ايقظهم ابو حنيفة مما فتقه و بينه ولخصه۔(۲)

لوگ فقہ کی طرف سے خواب غفلت میں پڑے تھے، یہاں تک کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اس کی عقدہ کشائی اور وضاحت و شرح اور تلخیص کر کے انہیں خواب غفلت سے بیدار کیا۔

فقہاء و فقہ حدیث

حقیقت یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے نامور تلامذہ اور دیگر مجتہدین فقہاء معانی حدیث کو محدثین کی بہ نسبت زیادہ بہتر سمجھتے اور فقہ حدیث کی بصیرت سے خوب آراستہ تھے، چنانچہ امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وهم (الفقهاء) اعلم بمعاني الحديث۔"(۳)

اور وہ (فقہاء) حدیث کے معانی کو بہتر سمجھتے ہیں۔

۱- ایضاً: ۱۳/۳۳۹۔ ۲- ایضاً: ۱۳/۳۳۵۔ ۳- جامع الترمذی: ۲/۲۰۶۔

فقہی بصیرت میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی سیادت وقیادت

بلاشبہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ حدیث کے معانی کے سمجھنے اور فقہ حدیث تک رسائی میں اپنے ہمعصروں میں سب سے زیادہ فائق وممتاز تھے، چنانچہ حافظ شمس الدین الذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

ساد اهل زمانه في التفقه ، و تفريع المسائل۔" (۱)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے تفقہ (فقہی بصیرت) حاصل کرنے اور تفریع مسائل میں اپنے معاصرین کی سیادت وقیادت کی ہے۔

مزید لکھتے ہیں:

"و امّا الفقه و التدقيق في الرأى و غوامضه فاليه المنتهىٰ فالناس عليه عيال في ذلك۔" (۲)

لیکن فقہ، فقہی مسائل میں دقت نظر اور مشکلات فقہ کے حل میں وہی حرف آخر ہیں اور لوگ ان کے محتاج ہیں۔

فقہی بصیرت سے آراستہ تین مجتہد امام

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نامور شاگرد عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ کا قول ہے:

"إن كان الاثر قد عرف و احتيج إلى الرأى، فرأى مالك و سفيان و أبي حنيفة، و ابو حنيفه احسنهم و أدقهم فطنة، و اغوصهم على الفقه۔" (۳)

حدیث واثر موجود ہو اور رائے کی احتیاج ہو تو امام مالک وسفیان ثوری اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ کی بات ماننی چاہیے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ باریک بینی وزیرکی میں سب سے بہتر ہیں، اور فقہی بصیرت میں وہ ان تینوں میں سب سے زیادہ گہری نظر کے مالک ہیں۔

۱- تاریخ الاسلام ۳۰۶/۴، (ترجمہ النعمان بن ثابت)۔ ۲- سیر اعلام النبلاء: ۳۹۲/۶۔

۳- تاریخ بغداد: ۳۴۳/۱۳۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے علمی وتحقیقی سرمایہ پر تبصرہ

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نامور شاگرد فقیہ ومجتہد حسن بن زیاد لولوی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۲۰۴ھ فرماتے ہیں، میں نے امام موصوف کو یہ فرماتے سنا ہے:

"قولنا هذا رأى وهو احسن ماقدرنا عليه فمن جاء نا باحسن من قولنا فهو اولى بالصواب منا۔"(۱)

ہمارا قول کہ یہ رائے ہے اور یہ وہ رائے ہے جسے ہم نے اپنی بساط کے مطابق سب سے بہتر طریقے پر پیش کیا ہے، جو کوئی ہماری اس تحقیق سے زیادہ اچھی تحقیق پیش کرے وہ ہم سے زیادہ برسرحق ہوگا (اس کی تحقیق کو قبول کرنا چاہئے)

شیخ الاسلام امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ کا اعتراف حقیقت

حافظ عبیداللہ بن عمرو الرقی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۲۸۰ھ کا بیان ہے:

ایک مرتبہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الاسلام امام حدیث حضرت سلیمان اعمش رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھے تھے، کہ ایک شخص نے حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ سے مسئلہ پوچھا، وہ اس کا کوئی جواب نہ دے سکے، اس کی نظر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر پڑی، اس نے امام ابوحنیفہؒ سے پوچھا: آپ نے اسے فوراً جواب دیا، امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کہا:

"نحن الصيادلة وأنتم الأطباء۔"(۲)

ہم (محدثین) دوافروش ہیں اور تم (فقہاء) ڈاکٹر ہو۔

یہی حال امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نامور تلامذہ کا تھا۔ چنانچہ قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد، فقیہ بشر بن ابی ازہر کندی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۲۳۰ھ نے امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کا بیان نقل کیا کہ ایک نشست میں حضرت اعمشؒ اور میں تنہا تھے، حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے چند حدیثیں سنائیں، پھر ایک مسئلہ پوچھا: میں نے جواب دیا، فرمایا: اس کی اصل اور دلیل کیا ہے: میں نے کہا: اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو آپ نے ابھی بیان کی ہے۔ حضرت

۱۔ تاریخ بغداد، ج ۱۳/۳۵۲۔ ۲۔ جامع بیان العلم وفضلہ: ۲/۱۳۰۔۱۳۱۔

اعمش رحمہ اللہ نے فرمایا: مجھے یہ حدیث اس وقت سے یاد ہے جب تم اپنی ماں کے پیٹ میں بھی نہیں آئے تھے، لیکن اس کی یہ تاویل اور مطلب مجھ پر منکشف نہیں ہوا جواب سمجھ میں آیا ہے، پھر فرمایا:

"نحن الصيادلة و انتم الأطباء"(۱)

ہم دوا فروش ہیں تم ڈاکٹر ہو۔

سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کی شاگردوں کو فقہ حدیث کی تاکید

سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ المتوفی ۱۹۸ھ اپنی مجالس درس میں فقہی بصیرت حاصل کرنے پر زیادہ زور دیتے، لیکن ان کے شاگرد اس پر دھیان نہیں دیتے تھے، چنانچہ حافظ علی بن خشرم المروزی رحمہ اللہ المتوفی ۲۵۷ھ کا بیان ہے کہ:

"ہم سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کی مجلس میں حاضر تھے، وہ فرماتے تھے: "اے طالب علمو! فقہ حدیث (فقہی بصیرت) سیکھو تاکہ تمہیں اصحاب الرائے مغلوب نہ کریں، ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کوئی بات نہیں کہی، مگر یہ کہ ہم اس سلسلے میں ایک دو حدیثیں بیان کر سکتے ہیں، موصوف نے یہ فرمایا اور اصحاب حدیث نے فقہ حدیث کو چھوڑ دیا، ان کی اس بات پر توجہ نہ دی، اور بولے: بتائیے عمرو بن دینار کن سے روایت کرتے ہیں؟(۲)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی فقہی بصیرت کے بنیادی سرچشمے

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے نت نئے مسائل حل کرنے اور ان کے استخراج واستنباط کے بنیادی سرچشموں کی نشاندہی کی ہے، اسے حافظ ابوالحجاج المزی رحمہ اللہ المتوفی ۷۴۲ھ نے اپنی سند سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ:

یحییٰ بن ضریس رحمہ اللہ کہتے ہیں: کہ میں سفیان ثوری رحمہ اللہ کی مجلس میں حاضر تھا کہ ایک شخص آیا اور سفیان ثوری رحمہ اللہ سے کہنے لگا: تم ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے کیوں ناراض رہتے ہو، ثوری رحمہ اللہ نے پوچھا، کیا ہو گیا؟ وہ بولا: میں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو یہ کہتے سنا

۱۔ مناقب الامام ابی حنیفہ وصاحبیہ: ۲۱۔
۲۔ معرفۃ علوم الحدیث: ص ۶۶

ہے کہ: میں مسئلہ کتاب اللہ میں ٹٹولتا ہوں، اس میں رہنمائی نہیں پاتا تو سنت میں ڈھونڈتا ہوں، پھر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں بھی سراغ نہیں لگتا تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال میں جستجو کرتا ہوں، اور ان میں سے جس کے قول کو چاہتا ہوں اختیار کرتا ہوں، اور اوران میں سے جس کا قول کا چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں، اوران کے اقوال سے باہر کسی اور کے قول کو نہیں لیتا۔ (1)

پھر جب بات ابراہیم نخعی، شعبی، ابن سیرین، حسن بصری، عطاء بن ابی رباح، اور سعید بن المسیب رحمہم اللہ تک آتی ہے، تو (امام ابوحنیفہؒ نے کچھ اور بھی نام لئے) تو پھر یہ بات تابعین کی ہو جاتی ہے، انہوں نے اجتہاد کیا تو میں بھی اجتہاد کرتا ہوں، جیسے انہوں نے اجتہاد کیا۔ حافظ ابن ضریس رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ یہ باتیں سن کر بہت دیر خاموش رہے، پھر بصیرت فقہی سے کچھ کلمات فرمائے، مجلس میں ہر شخص نے انہیں قلمبند کیا (وہ یہ ہیں)، ہم جب سخت وعید کی حدیثیں سنتے ہیں تو ڈرتے ہیں اور جب نرم (ترغیب) کی حدیثیں سنتے ہیں تو مغفرت کی امید رکھتے ہیں، ہم زندوں کا محاسبہ کرتے ہیں، جو دنیا سے رخصت ہو گئے ان پر حکم نہیں لگاتے، ہم نے جو سنا اسے تسلیم کرتے ہیں، جو نہیں جانتے اسے عالم الغیب کے سپرد کرتے ہیں، ہم ان کی فقہی رائے و بصیرت کے مقابلے میں اپنی رائے کو رقم کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ ﷺ یہ دونوں سرچشمے علم و معرفت کے وہ بنیادی سرمایہ کیفوض و برکات ہیں، جن سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ مسائل کا استخراج کرتے اور مراد حق کو پانے اور اس تک پہنچنے کی پیہم کوشش کرتے رہتے تھے۔

مورخ ابوعبداللہ الصیمری رحمہ اللہ المتوفی ۴۳۶ھ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذکورہ بالا بیان حسب ذیل الفاظ میں نقل کیا ہے:

''(وہ مسائل جو بصراحت قرآن میں مذکور نہیں ہیں ان کا) میں پہلے قرآن

۱- تہذیب الکمال فی اسماء الرجال: ۱۷/۱۱۷۔

میں کھوج لگاتا ہوں اگر انہیں پاتا ہوں تو بہت اچھا اور جب اس میں نہیں پاتا ہوں تو پھر رسول اللہ ﷺ کی سنن اور صحیح آثار میں جو معتبر راویوں کے پاس معتبر سند سے موجود ہیں ان میں جستجو کرتا ہوں، پھر اسے اختیار کرتا ہوں، پھر اگر ان دونوں میں نہیں ملتا تو پھر اصحاب رسول ﷺ کے اقوال میں دیکھتا ہوں، جس کے قول کو چاہتا ہوں اختیار کرتا ہوں، اور جس کو چاہتا ہوں چھوڑتا ہوں اور صحابی رضی اللہ عنہ کے اقوال کے دائرے سے باہر نہیں نکلتا۔ عہد تابعین میں سب تابعی مجتہد برابر ہیں، کسی کا میں کسی کا متبع و مقلد نہیں، اجتہاد کرتا ہوں، جیسے وہ اجتہاد کرتے ہیں، چنانچہ جب ابراہیم نخعی، شعبی، حسن بصری، ابن سیرین، سعید بن المسیب رحمہم اللہ اور کچھ اور مجتہدین تک بات آتی ہے اور وہ اجتہاد کرتے ہیں، تو پھر مجھے بھی حق ہے کہ میں بھی اجتہاد کروں جیسے انہوں نے اجتہاد کیا ہے۔ (۱)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذکورہ بالا بیان اس امر کا نہایت واضح ثبوت ہے کہ وہ تابعین میں سے ہی مجتہد تابعی کے افکار و نظریات اور مسلک و مذہب کے نہ ترجمان تھے نہ اس کے تابع و پیروکار۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجتہادی مسائل میں پیروی کو اس لئے ضروری قرار دیا کہ اصابت رائے میں وہ تابعین سے بہت بہتر و برتر تھے اور اس امر کی دلیل یہ حدیث ہے:

"لو أن أحدكم انفق مثل أحد ذهباً مابلغ مُد احدهم و لا نصيفه"(۲)

تم میں سے کوئی اگر احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ ان کے مُد (پیمانہ) کے برابر (جس کا وزن پونے دو سیر ہے) بلکہ اس کے نصف وزن کو بھی نہیں پہنچے گا۔

شمس الائمہ رحمہ اللہ "اصول السرخسی" میں اس کی تشریح کرتے ہوئے یوں کہتے ہیں:

"فعرفنا أنهم يوفقون لاصابة الرأى مالا يوفق غيرهم منه فيكون رأيهم أبعدمن احتمال الخطأ من رأى من بعدهم." (۳)

۱- اخبار أبي حنيفة وأصحابه: ص ۲۴، الانتقاء: ص ۱۴۲، تاریخ بغداد: ۳۶۸/۱۳، مناقب الامام ابی حنیفہ وصاحبیہ: ص ۲۰، تہذیب التہذیب: ۳۴۰/۱۰-۳۴۱۔ ۲- البحر رفی اصول الفقہ: ۸۵/۲۔ ۳- اصول السرخسی: ۳۱۳/۱

تو ہمیں معلوم ہوا کہ صحابی رضی اللہ عنہ (اصابت رائے اور صحیح رائے کی رسائی) میں توفیق الٰہی سے صحت کی اس حد تک پہنچ چکے ہیں، جس حد کو دوسرا کوئی نہیں پہنچتا، اس لئے ان کی رائے ان کے بعد آنے والوں کی رائے سے غلطی اور خطا کے احتمال سے دور ہے۔

شمس الائمہ السرخسی رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں:

"ماجاء عن الصحابه اتبعناهم، وماجاء ناعن التابعين زاحمناهم۔ إنماقال ذلک لأنه كان من جملة التابعين ...... كان ممن يجتهد في عهد التابعين ويعلم الناس حتى ناظر الشعبي في مسالة النذر بالمعصية۔"(۱)

صحابہ رضی اللہ عنہم سے جو آیا ہے ہم ان کی اتباع اور پیروی کریں گے، اور تابعین کی طرف سے جو بات آئے گی ہم بھی اجتہاد کے ذریعے ان سے مقابلہ کریں گے، ہم کہتے ہیں، ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات اس لئے فرمائی ہے کہ وہ تابعی ہیں اور ان فقہاء میں سے ہیں جو عہد تابعین میں اجتہاد کرتے اور لوگوں کو اجتہاد کا طریقہ سکھاتے اور پڑھاتے تھے، یہاں تک کہ نذر بالمعصیۃ کے مسئلے میں امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے (جنہوں نے پانچ سو صحابہ کو دیکھا تھا) انہوں نے مناظرہ کیا تھا۔ ظاہر ہے وہ ابراہیم، حسن بصری، وابن سیرین رحمہم اللہ کے اجتہاد کی پابندی کیونکر کر سکتے ہیں، ہاں جن اجتہادی مسائل میں ان کی رائے ان کے موافق ہوگی وہ ان کے ساتھ رہیں گے۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے تابع و پیرو ہیں، چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

"كان ابوحنيفة رضى الله عنه الزمهم بمذهب ابراهيم و أقرانه لايجاوزه ألاماشاء الله۔"(۲)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ہم عصروں کی پیروی کو اپنے اوپر لازم کر رکھا تھا وہ اس سے تجاوز نہیں کرتے تھے مگر بہت کم۔

۱- ایضاً۔ ۲- الانصاف فی بیان سبب الاختلاف: ص ۱۸۔

موصوف ''حجة الله البالغه'' میں لکھتے ہیں:

''کان ابوحنیفه رضی الله عنه الزمهم بمذهب ابراهیم و أقرانه لایجاوزه الاماشاء الله وکان عظیم الشان فی التخریج علی مذهبه و دقیق النظر فی وجوه التخریجات مقبلاً علی الفروع أتم إقبال''(1)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ اور ان کے ہمعصر علماء کے مذہب کے پابند تھے، اور ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے مذہب سے باہر نہیں جاتے الا ماشاء اللہ، وہ ان کے مذہب کے مطابق مسائل کی تخریج کرتے تھے، وہ بڑی شان رکھتے تھے، وجوہ تخریجات کے معلوم کرنے میں دقیق النظر تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا مذکورۂ بالا بیان متعدد وجوہ واسباب سے محل نظر ہے:

۱۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے مشہور مجتہدین تابعین کو نام بنام گنا کر بتایا ہے کہ میں ان میں سے کسی مجتہد کے مسلک کی پیروی وتقلید نہیں کرتا، ان میں پہلا نام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا ہے، پھر ان کے مشہور ہم عصر مجتہدین کے نام ہیں۔

۲۔ ''ائمہ اصول فقہ'' اس امر پر متفق ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ مجتہدین تابعین میں سے کسی امام کے مذہب کے مقلد و ترجمان اور ناشر نہیں، چنانچہ وہ ''زاحمناهم'' ہیں کہ ہم نہ ان کے اجماع کو تسلیم کرتے ہیں، نہ ان کے مسلک ونظریات کے پیروکار ہیں، بلکہ ''هم رجال و نحن رجال'' وہ بھی مجتہد ہیں ہم بھی مجتہد ہیں، کے قائل ہیں، ان کو اجتہاد کا حق ہے، ہم بھی اجتہاد کرتے ہیں، ہم ان کے اجتہاد کے پابند نہیں یہ اور بات ہے کہ بعض مسائل میں ہمارا ان کا اتفاق ہو جائے۔

۳۔ انہی وجوہ سے اصولیین امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو مجتہد مطلق مانتے اور ان کے مذہب کے مقلد ہیں۔

۴۔ کوئی اصولی شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کے مذکورہ نظریہ کا ہم نوا نہیں ہے۔

۱- حجۃ اللہ البالغہ: ۳۱۹/۲۔

۵۔ محقق عصر علامہ محمد عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے "ماتمس الیہ الحاجہ" میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ نظریے کی تردید کی ہے۔ (۱)

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ نظریہ بھی ان کے تفردات میں سے ہے۔

بعض اعتراض کرنے والوں کے اس اعتراض کا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تابعی نہ تھے، جواب دیتے ہوئے شمس الائمہ رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

"عن ابی حنیفة انه قال: اذا اجتمعت و الصحابة علی شئی سلمناه لهم، و اذا اجتمع التابعون زاحمناهم ...... واما ابوحنیفة فهو تابعی قد ادرک فیما یحکی اربعة من الصحابة ...... فجاز له مزاحمة التابعین۔

فان ابا حنیفة قد کان من اهل الاجتهاد فی زمن التابعین، و کان یفقه الناس فیما قیل اربعین سنة و کثیر من التابعین کانوا موجودین بعد سنة عشرین ومائة، فلما لحق ایامهم، وهو من اهل الفتیا، جاز له مخالفتهم و القول معهم (۲)

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ صحابہ کا جب کسی بات پر اجماع ہو جاتا ہے تو ہم اسے تسلیم کرتے ہیں، اور اگر تابعین کا کسی بات پر اجماع ہو تو ہم ان کے اجماع کو نہیں مانیں گے، ہم ان کی اس میں مزاحمت کریں گے۔ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تابعی ہیں، موصوف نے جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے چار صحابہ کو دیکھا ہے، انہیں تابعین سے مزاحمت کرنے کا حق ہے؛ اس لئے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ عہد تابعین میں اہل اجتہاد میں سے تھے۔ وہ چالیس برس تک طلبہ کو فقہ پڑھاتے رہے جیسا کہ مشہور ہے، اور ان کے زمانے میں ۱۲۰ھ کے بعد بھی تابعین کثیر تعداد میں موجود تھے، امام موصوف اس زمانے میں ان کے ساتھ کام کرتے رہے ہیں اور ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ارباب فتویٰ میں سے تھے، موصوف کو ان کی مخالفت اور موافقت دونوں جائز و درست ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی چالیس سالہ فقہی، تدریسی و تحقیقی خدمات نے فقہ ابوحنیفہ

۱۔ ما تمس الیہ الحاجہ لمن یطالع سنن ابن ماجہ: ص ۴۷۔

کو اسلامی قلمرو میں ایسا پھیلایا اور اس کا نفع ایسا عام و تام کیا تھا کہ شیخ الاسلام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ المتوفی ۱۹۸ کا بیان ہے:

"شیئان ماظننت أنهما يجاوزان قنطرة الكوفة وقد بلغا الآفاق" (۱)

دو چیزیں ایسی ہیں جن کے متعلق میرا وہم و گمان نہ تھا کہ وہ کوفہ کا پل پار کریں گی۔

(قراءة حمزه کسائی و فقه ابو حنیفه) یہ دونوں اسلامی قلمرو کے چپے چپے میں پہنچی ہوئی ہیں۔ سید الحفاظ یحییٰ بن معین رحمہ اللہ المتوفی ۲۳۳ھ فرماتے تھے:

"القرأة عندی قرأة حمزة والفقه فقه أبی حنيفة، على هذا ادركت الناس" (۲)

میرے نزدیک قرأت، حمزہ رحمہ اللہ کی قرأت ہے، اور فقہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی فقہ ہے، میں نے لوگوں کو اسی پر عمل کرتے پایا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا سنن و آثار اور فقہ کا علمی و تحقیقی سرمایہ دوسری صدی ہجری میں براعظم ایشیا اور افریقہ میں پہنچ گیا تھا، اسلامی قلمرو کے مرکز عراق، حجاز، خراسان، شام و مصر اور بربر میں یہ علمی ورثہ اپنی افادیت کی وجہ سے مجتہدین اور دانشوروں کے علمی سرمائے میں اپنی جگہ بنا چکا اور مرکز توجہ بن گیا تھا۔

عہد عباسی میں عراق، بغداد، کوفہ و بصرہ علم کے مشہور مرکز تھے، یہاں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی کتابیں ان کے شاگردوں اور ہم عصروں کے زیر مطالعہ تھیں، چنانچہ مجتہدین میں امام سفیان ثوری رحمہ اللہ (۹۷۔۱۶۱ھ/ ۷۱۶۔۷۷۸ء) کے پاس امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی "کتاب الرهن" کا تذکرہ کتب تاریخ میں عام ہے۔ (۳) دانشور و مورخ محمد بن عمر الواقدی رحمہ اللہ (۱۳۰۔۲۰۷ھ/ ۷۴۷۔۸۲۳ء) کے عظیم کتب خانے (۴) میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی کتابیں موجود تھیں۔ (۵) یہ ایسا عظیم کتب خانہ تھا جو بغداد میں ان کے نامور شاگرد محمد بن سعد رحمہ اللہ کے پاس بھی منقول و محفوظ تھا۔ (۶)

۱۔ اصول الجصاص: ۱۲۰/۲، اصول السرخسی: ۱۱۲/۲، المحررفی اصول الفقہ: ۸۸/۲۔ ۲۔ تاریخ بغداد: ۳۴۷/۱۳

۳۔ ایضاً۔ ۴۔ اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ: ص ۷۴، تاریخ بغداد: ۳۳۲/۱۳، الجواہر المضیہ: ۲۵۰/۱۔

۵۔ تاریخ بغداد: ۵/۳۔۶، اسلامی کتب خانے عہد عباسی میں: ص ۳۳۳۔ ۶۔ الجواہر المضیہ: ۱۸۱/۱، رقم ۳۱۱۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (۱۶۴ـ۲۴۱ھ/۷۸۰ـ۸۵۵ء) ہر جمعہ کو اس کے کتب خانے سے دو جز منگا کر اس سرمائے کا مطالعہ اور اس سے استفادہ کرتے تھے۔ (۱)

کوفہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد اسد بن عمرو الباہلی الکوفی رحمہ اللہ المتوفی ۱۸۸ھ کے پاس امام موصوف کی کتابیں موجود و محفوظ تھیں۔ (۲)

مسائل میں ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مقبولیت

حجاز میں مدینہ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی، ائمہ مجتہدین میں امام مالک رحمہ اللہ کو نہایت ممتاز مقام حاصل تھا، ان کے مطالعے میں بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا علمی و تحقیقی ذخیرہ موجود تھا، چنانچہ علامہ عبدالعزیز بن محمد دراوردی رحمہ اللہ المتوفی ۱۸۶ھ نے امام مالک رحمہ اللہ کا بیان نقل کیا ہے:

"عندی من فقه ابی حنیفة ستون آلاف مسألة۔" (۳)

میرے پاس امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ساٹھ ہزار مسئلے موجود ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی کتابیں اس زمانے میں کتنی مقبول تھیں۔

امام مالک بن انس رحمہ اللہ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی کتابیں مطالعہ کرتے اور ان سے فائدہ اٹھاتے تھے، چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ نے عبدالعزیز دراوردی رحمہ اللہ سے سنا وہ فرماتے تھے:

"کان مالک بن انس ینظر کتب أبی حنیفة و ینتفع بها۔"

امام مالک بن انس رحمہ اللہ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی کتابیں مطالعہ کرتے اور ان سے فائدہ اٹھاتے تھے اور امام موصوف کی کتابیں مجتہدین کی رہنمائی کرتی تھیں (۵)۔

جیسا کہ علامہ جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ کے مندرجہ ذیل بیان سے عیاں ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ان خصوصی مناقب میں سے جن میں وہ یکتا ہیں۔ ایک یہ

۱ـ تاریخ بغداد: ۳۲۲/۵، اسلامی کتب خانے عہد عباسی میں: ص ۳۳۳ـ۳۳۵۔ ۲ـ ایضاً۔

۳ـ الجواہر المضیہ: ۱۴۰/۱۔ ۴ـ مقدمہ کتاب التعلیم: ۱۳۳/۲، اقوام المسالک: ۹۷۔ ۵ـ ایضاً: ۹۹۔

ہے کہ وہی پہلے شخص ہیں، جنہوں نے علم شریعت مدون کیا اور اس کی ابواب پر ترتیب کی، پھر امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ نے موطاء کی ترتیب میں انہی کی پیروی کی اور اس امر میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر کسی کو سبقت حاصل نہیں۔ (۱)

خراسان، ترمذ اور بلخ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد عبدالعزیز بن خالد الترمذی رحمۃ اللہ علیہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کی روایت واشاعت کرتے تھے۔ (۲)

بلخ میں قاضی بلخ ابو مطیع حکم بن عبداللہ البلخی رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۳۔۱۹۷ھ/ ۷۳۱۔۸۱۳ء) موجود تھے یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے "کتاب الفقہ الاکبر" کے راوی ہیں۔ (۳) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں موجود تھیں۔

مرو میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد عبداللہ بن المبارک مروزی خراسانی رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۸۔۱۸۱ھ/ ۷۳۶۔۷۹۷ء) کے پاس بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کا ذخیرہ موجود تھا بلکہ وہ تحقیقاتی ذخیرہ تو معلوم ہوتا ہے سفر وحضر میں بھی ساتھ رکھتے تھے، چنانچہ جب بیروت میں عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی مجتہد مطلق ابوعمرو عبدالرحمٰن اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ (۸۸۔۱۵۷ھ/ ۷۰۷۔۷۷۴ء) سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق پوچھا تو موصوف نے انہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے فقہی مسائل دکھائے تو ان کی غلط فہمی دور ہوئی اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علمی مقام کا اندازہ ہوا۔ (۴)

افریقہ، بلاد بربر ومصر میں، ابوسعید سابق بن عبداللہ المعروف بالبربری رحمۃ اللہ علیہ جو شاعر وزاہد اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد "کتاب الآثار" کے ان سے راوی

۱۔ تبییض الصحیفہ: ص ۳۶۔ ۲۔ مناقب الامام الاعظم: ۱/۶۸۔ ۳۔ الجواہر المضیہ: ۲/۲۶۵۔۲۶۶، میزان الاعتدال: ۱/۵۷۴، ابو مطیع بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ عبداللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ سے ان کی تعدیل منقول ہے، چنانچہ سید الحفاظ یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگرد احمد بن محمد بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا تھا: "فما ظنک بمن عدلہ ابن المبارک ووکیع (مناقب امام الاعظم للکردری" ج ۱ ص ۹۱) تمہارا کیا خیال ہے جس کی توثیق وتعدیل عبداللہ بن المبارک اور وکیع رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہو۔ ۴۔ تاریخ بغداد: ۱۳/۳۳۸۔

ہیں موجود تھے، چنانچہ حافظ ابوالقاسم ابن عساکر رحمہ اللہ المتوفی ۵۳۱ھ نے تصریح کی ہے کہ بربری رحمہ اللہ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے "کتاب الآثار" کے راوی ہیں۔ (۱)

مصر علوم اسلامی کا مرکز تھا، یہاں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا علمی ذخیرہ، امام مالک، امام محمد اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ کے شاگرد، اسد بن الفرات رحمہ اللہ (۱۴۲ـ ۲۱۳ھ/ ۷۵۹ـ ۸۲۸ء) لے کر پہنچے تھے اور امام مالک رحمہ اللہ کے نامور فقیہ عبداللہ بن وہب رحمہ اللہ المتوفی ۱۹۷ھ اور عبدالرحمٰن ابن القاسم رحمہ اللہ المتوفی ۱۹۱ھ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی کتابوں کے مسائل کے متعلق امام مالک رحمہ اللہ کی آراء ان سے معلوم کیں، چنانچہ فقیہ ابواسحاق شیرازی رحمہ اللہ المتوفی ۴۷۶ھ میں رقم طراز ہیں:

"هذه كتب ابي حنيفة، وسال ان يجيب فيها على مذهب مالك"۔(۲)

اسد نے کہا: یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی کتابیں ہیں، اور پوچھا آپ ان کا امام مالک رحمہ اللہ کے مسلک پر جواب دیں،

دیار مغرب میں یہی کتابیں "کتب الاسدیه" کے نام سے مشہور ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے شاگرد اور ان کے مذہب کے راوی، امام طحاوی رحمہ اللہ کے ماموں امام ابوابراہیم اسماعیل مزنی رحمہ اللہ المتوفی ۲۹۴ھ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے، چنانچہ امام طحاوی رحمہ اللہ المتوفی ۳۲۱ھ کا بیان ہے۔

"انى كنت ارى خالى يُديم النظر فى كتب ابى حنيفة فلذلك انتقلت إليه" (۳)

میں دیکھتا تھا کہ میرے ماموں ہمیشہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہتے، چنانچہ میں نے شافعی مذہب چھوڑ کر حنفی مذہب اختیار کیا۔

ابن الندیم رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تدوین علم کی خوبی کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:

"العلم براً و بحراً شرقاً و غرباً بعداً و قرباً تدوينه، رضى الله عنه"

۱۔ تاریخ ابن عساکر: ۲۰/۶ ترجمہ سابق بن عبداللہ معروف بالبربری۔

۲۔ طبقات الفقہاء: ص ۱۳۲۔

۳۔ وفیات الاعیان لابن خلکان: ۷۱/۱۔

اللہ امام رحمہ اللہ سے راضی ہو، اس تدوین نے خشکی وسمندر، مشرق ومغرب، دور ونزدیک ہر جگہ کو علم سے بھر دیا ہے۔ (۱)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا عظیم ترین کارنامہ

تابعین کے دور میں علم شریعت کی تشکیل وتدوین کی سعادت امام حنیفہ رحمہ اللہ کو حاصل ہے، چنانچہ قاضی ابوبکر عتیق بن داؤد یمانی رحمہ اللہ اپنے رسالے "فضل ابی حنیفہ" میں رقم طراز ہیں:

"وابو حنيفة اوّل من دوّن علم هذه الشريعة، لم يسبقه احد ممن قبله، لان الصّحابة و التابعين لم يضعوا فى علم الشريعة ابواباً مبوبة ولا كتاباً مرتبة، و انما كانوا يعتمدون على قوة فهمهم، وجعلوا قلوبهم صناديق علمهم، فنشأ ابوحنيفة بعدهم ،فرأى العلم منتشراً، فخاف عليه الخلف السّوء أن يضيعوه، ولهذا قال ﷺ: "إن الله تعالىٰ لايقبض العلم انتزا عاً ينتزعه من الناس و انما ينتزعه موت العلماء ،فيبقى رؤساء جهال،فيفتون بغيرعلم فيضلون ويضلون" فلذلک دوّنه ابوحنيفة ابواباً مبوبة و كتباً مرتبة، فبدأ بالطهارة، ثم بالصلاة ثم بسائر العبادات على الولاء، ثم با لمعاملات ثم ختم بكتب المواريث۔ وانما ابتدأبا لطهارة ثم بالصلاة لان المكلّف بعد صحة الاعتقاد اول مايخاطب بالصلاة لانها اخص العبادات واعم وجوبا، و اخر المعاملات لانّ الاصل عدمها و براءة الذمة منها، و ختمه بالوصايا و المواريث لانّها آخر احوال الانسان فمااحسن مابتدأ به و ختم، ثم جاء الائمة من بعده، فاقتبسوا من علمه و اقتدوا به، و فرعوا كتبهم على كتبه ......

فاذا كان الله تعالىٰ قدضمن لنبيه ﷺ حفظ الشريعة كان أبوحنيفة اوّل من دونها، فيبعد أن يكون الله تعالىٰ قدضمنها ثم يكون اول من دونها على

---

۱ – الفہرست لابن ندیم: ص ۱۷۔

خطاء"۔ (1)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے شریعت کے علم کو مدون و مرتب کیا اور کسی کو ان پر سبقت حاصل نہیں، اس لئے کہ صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم نے علم شریعت ابواب میں مدون نہیں کیا تھا اور نہ کتابی صورت میں ترتیب دیا تھا، وہ صرف اپنی قوت فہم پر بھروسہ رکھتے تھے، انہوں نے اپنے دل و دماغ کو علم کا خزانہ بنایا ہوا تھا، ان اکابر تابعین کے بعد جب ابوحنیفہ رحمہ اللہ نمایاں ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ علم شریعت منتشر ہے، انہیں خطرہ ہوا کہ بعد میں آنے والی نسلیں اس علم کو برباد کر دیں گی، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ "اللہ تعالیٰ لوگوں کے سینوں سے علم چھین نہیں لے گا بلکہ وہ عالموں کو دنیا سے اٹھالے گا پھر دنیا میں جاہل سردار رہ جائیں گے، جن کے پاس علم نہ ہوگا، وہ خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے، اس لئے ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے شریعت کا علم مدون و مرتب کیا اور اس کی ابواب میں ترتیب کی، کتاب میں عنوان اور ابواب قائم کئے، چنانچہ "کتاب الطہارت" سے ابتدا کی، پھر "کتاب الصلاۃ" کا عنوان قائم کیا، پھر عبادات کے تمام ابواب ترتیب وار مقرر کئے، پھر معاملات کے ابواب قائم کئے، اور میراث کے ابواب پر شریعت کو ختم کیا۔ آغاز طہارت سے کیا، پھر صلاۃ کا عنوان لگایا، اس لئے کہ ہر مکلف انسان کو صحت اعتقاد کے بعد نماز پڑھنے کا حکم ہے، یہ خاص اور اہم عبادات میں سے ہے، ہر مکلف پر فرض ہے، آخر میں معاملات ہیں کیونکہ اصل یہی ہے کہ یہ معاملات نہ ہوں اور انسان ان سے بری الذمہ ہو، کتاب کا خاتمہ وصایا اور مواریث پر کیا، اس لئے کہ ان کا تعلق اس کے آخری حالات سے ہے، کیسی اچھی ابتدا اور کیسا اچھا خاتمہ ہے، جو ائمہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بعد آئے انہوں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علم سے فائدہ اٹھایا، ان کی پیروی کی اور ان کتابوں پر اپنی کتابوں کی تفریع کی، انہی سانچوں میں اپنی کتابوں کو ڈھالا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی شریعت کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس کی تدوین کی ہے، تو بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ ضمانت

1 - مناقب الامام الاعظم لصدر الائمۃ: ۲/۱۳۶۔ ۱۳۷، مقدمۃ کتاب التعلیم: ص ۱۲۶۔

لے اور اس کا پہلا مدون غلطی کرے۔

اجتہادی مسائل میں ائمۂ فقہا کی کشادہ دلی

مجتہدین میں جس طرح اجتہادی مسائل کے استنباط و استخراج میں اختلاف نظر رہا، یہ اختلاف ان کے شاگردوں میں بھی نمایاں رہا جو اجتہادی مسائل میں ان کی کشادہ دلی و برداشت اور رواداری کی نہایت روشن دلیل ہے۔ چنانچہ مسجد حرام مکہ معظمہ میں ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ حضرت اعمش (۶۱۔۱۴۸ھ/ ۶۸۱۔۷۶۵ء) امام مالک (۹۳۔۱۷۹ھ) اور حضرت عثمان بتی رحمہ اللہ (۱۴۳ھ) تشریف فرما تھے، کسی نے ان سے ایک مسئلہ پوچھا، مسئلہ ایک اور ہر امام کا جواب مختلف، مسئلہ پوچھنے والے سے نہ رہا گیا، اس نے ان سے پوچھا کہ وجہ اختلاف آخر ہے کیا؟ مورخ خطیب بغدادی رحمہ اللہ، اس واقعے کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

”حضرت اعمش کوفہ سے، حضرت مالک بن انس مدینہ سے اور حضرت عثمان بتی رحمہ اللہ بصرہ سے، حج کے لئے نکلے، اور مسجد حرام میں بیٹھ کر فتوے دیئے، وہ فتوے ایک دوسرے کے خلاف ہوئے تو ایک شخص نے حضرت اعمش رحمہ اللہ سے عرض کی، آپ اہل مدینہ کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں، حضرت اعمش رحمہ اللہ نے جواب میں کہا: ہم میں اور اہل مدینہ میں اختلاف آج کا نہیں، پرانا ہے، چنانچہ ہم اپنے علماء کے قول کو پسند کرتے ہیں اور وہ اپنے علماء کے قول کے دلدادہ ہیں (ہر ایک اپنے اسلاف کے اقوال و آراء پر عمل کرتا ہے سب دین پر عمل کرتے ہیں)(۱)

اسلامی دنیا کے چار مقبول و عظیم الشان فقہی مذاہب

مذاہب اربعہ جنہیں اسلامی دنیا میں شہرت حاصل ہے ان میں:

۱۔ عظیم ترین مذہب حنفی مذہب ہے، پھر عظیم تر مذہب۔

۲۔ شافعی مذہب، اس کے بعد،

۱۔ تاریخ بغداد: ۱۶۸/۸ (ترجمہ حفص بن یونس رقم ۴۲۷۱)۔

۳۔ مالکی مذہب اور پھر،

۴۔ حنبلی مذہب ہے، موخر الذکر مذاہب ثلاثہ بھی حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے تلامذہ اور فقیہان کوفہ کے مرہون منت ہیں، خاص طور پر امام محمد ؒ کے تربیت یافتہ شاگردوں کا فیض وثمرہ ہیں، علامہ شمس الدین الذہبی ؒ، فقیہانِ کوفہ کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ:

''اہل کوفہ میں سب سے بڑھ کر فقیہ حضرت علی ؓ اور ابن مسعود ؓ ہیں، اور ان دونوں مجتہدوں کے شاگردوں میں سب سے بڑھ کر فقیہ، علقمہ ؒ اور علقمہؒ کے شاگردوں میں سب سے بڑھ کر فقیہ، ابراہیم ؒ تھے، اور ابراہیمؒ کے شاگردوں میں سب سے بڑھ کر فقیہ حماد ؒ تھے، اور حمادؒ کے شاگردوں میں سب سے بڑھ کر فقیہ ابو حنیفہ ؒ تھے، اور ابوحنیفہؒ کے شاگردوں میں سب سے بڑھ کر فقیہ ابو یوسف ؒ تھے، ان کے شاگرد سارے جہاں میں پھیل گئے، اور ان کے شاگردوں میں سب سے بڑھ کر فقیہ محمد ؒ تھے اور محمدؒ کے شاگردوں میں سب سے بڑھ کر فقیہ ابو عبداللہ الشافعی ؒ تھے۔''(۱)

کوفے میں مجتہدین فقہا کی فراوانی

خطیب بغدادی ؒ نے جب قاضی محمد بن عبداللہ النہروانی ؒ (۳۲۵ھ-۴۰۲ھ/ ۹۳۷-۱۰۱۱ء) کے معاصرین کا حسب ذیل قول نقل کیا:

''لم یکن بالکوفة من زمن عبداللہ بن مسعود ؓ إلی وقته أفقه منه''(۲)

کوفے میں عبداللہ بن مسعود ؓ کے زمانے سے ان کے زمانے تک ان سے بڑھ کر فقیہ نہیں گزرا۔

اس خلاف واقعہ بات پر مورخ ذہبی ؒ فقیہانِ کوفہ کو نام بنام گناتے ہیں، وہ کہتے ہیں:

۱- سیر اعلام النبلاء: ۵/۲۳۶، (ترجمہ حماد بن ابی سلیمان)۔

۲- تاریخ بغداد: ۵/۴۷۲، الانساب: ۵/۶۳۶، (النہروانی)۔

"قلت: بل كان بالكوفة وبين ابن مسعود جماعة افقه منه، كعلقمة، و عَبِيدة السلماني، و جماعة، ثم كالشعبي، و ابراهيم النخعي، ثم كحماد و الحكم ومغيرة وعدة ثم كان شبرمة و ابی حنيفة، و ابن ابی ليلیٰ، و حجاج بن ارطاة، ثم كسفيان الثوری، و مسعر والحسن بن صالح، و شريک، ثم وكيع، و حفص بن غياث، و ابن ادريس و خلق۔"(۱)

میں کہتا ہوں: ایسا نہیں ہے بلکہ کوفے میں اس (قاضی ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ النہروانی) کے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے درمیانی زمانے میں ایک جماعت اس سے بڑھ کر فقیہ گزری ہے، جیسے حضرت علقمہ، عبیدہ سلمانی رحمہما اللہ اور ایک جماعت پھر جیسے شعبی، ابراہیم نخعی، پھر حماد، حکم، مغیرہ ابن عبدالرحمٰن الحزامی رحمہ اللہ (۱۸۷ھ/۸۰۳ء) اور کئی اور پھر ابو شبرمہ عبداللہ بن شبرمہ کوفی (۹۲۔۱۴۴ھ/۷۰۰۔۷۶۱ء) ابوحنیفہ، احمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ (۷۴۔۱۴۸ھ/۶۶۳۔۷۶۷ء) حجاج بن ارطاۃ (۱۴۵ھ/۷۶۲ء) پھر سفیان ثوری، مسعر، حسن بن صالح ہمدانی (۱۰۰۔۱۶۷ھ/ ۷۱۸۔۷۸۳ء) شریک بن عبد اللہ کوفی رحمہ اللہ (۹۵۔۱۷۷ھ/۷۱۳۔۷۹۴ء) پھر وکیع، حفص بن غیاث (۱۱۷۔۱۹۴ھ/۷۳۵ ۔ ۸۱۰ھ) عبداللہ بن ادریس الکوفی رحمہ اللہ (۱۲۰۔۱۹۲ھ/ ۷۳۸۔۸۰۸ء) اور ایک خلق کثیر ہے۔

اصحاب الرای چوتھی صدی ہجری تک

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ چوتھی صدی ہجری تک فقہ حدیث سے آراستہ دقیق النظر اہل الرای کا سلسلہ برابر قائم رہا، انہیں حدیث میں بصیرت حاصل رہی، وہ اس کی طلب میں سفر کرتے اور معرفت حدیث میں اپنے ہم عصروں میں نمایاں رہے جو کہ حدیث و اثر اور فقہ و نظر دونوں میں ممتاز و ماہر ہوتے تھے۔ حافظ شمس الدین الذہبی، حافظ علامہ علی بن موسیٰ القمی النیسابوری رحمہ اللہ (المتوفی ۳۰۵ھ) کے تذکرے میں رقم طراز ہیں:

۱۔ سیر اعلام النبلاء: ۱۷/۱۰۲۔

''اہل الرأی حدیث میں صاحب بصیرت ہوتے تھے، وہ حدیث کی طلب میں سفر کرتے اور حدیث کی معرفت میں آگے رہتے تھے، لیکن اس زمانے (آٹھویں صدی ہجری) میں محدث نے درہم اور خطبے پر قناعت کی ہے، نہ وہ فقہ حدیث کو سمجھتا اور نہ حدیث کو یاد کرتا ہے، جیسے فقیہ، فقہ سے چمٹا ہو، لیکن اسے اچھی طرح نہیں سمجھتا، حدیث وہ جانتا ہی نہیں کہ وہ کیا ہے، بلکہ اس کی نظر میں موضوع اور صحیح حدیث دونوں برابر ہیں، (وہ گھڑی ہوئی اور صحیح حدیث میں فرق کرنے سے قاصر ہے) اور وہ کبھی پایۂ اعتبار سے ساقط حدیث کا معارضہ صحیح حدیث سے کر بیٹھتا ہے۔ اور ہٹ دھرمی سے کہتا ہے کہ نا قابل اعتبار حدیث زیادہ صحیح اور قوی ہے۔''(۱)

مجتہدین اربعہ کی تصحیح احادیث کا حکم

یہاں یہ نکتہ بھی ذہن میں رہنا چاہئے کہ مجتہد جس حدیث سے دلیل و حجت پکڑتا اور استدلال کرتا ہے وہ حدیث اس کے نزدیک صحیح ہوتی ہے جیسے ہماری نظر میں ''صحیح البخاری'' کی حدیث صحیح ہوتی ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (المتوفی ۸۵۲ھ) ''تعجیل المنفعہ'' میں حافظ محمد بن علی بن حمزہ دمشقی رحمہ اللہ المتوفی ۷۶۵ھ کی کتاب ''التذکرہ'' سے نقل کرتے ہیں کہ موصوف کا بیان ہے:

"ذكرت رجال الائمة الاربعة المقتدىٰ بهم لأن عمدتهم في استدلالهم لمذاهبهم في الغالب على مارووه في مسانيدهم "و الموطا"، لمالک هو منهبه الذى يدمن الله به أتباعه، و يقلدون مع أن لم يرو فيه إلا الصحيح عنده، و كذلک "مسند الشافعي" موضوع لأدلته على ماصح عنده من مروياته و كذلک "مسند أبي حنيفة" و "مسند احمد" فإنه اعم من ذلک كله و أشمل انتهىٰ من كلامه۔" (۲)

میں نے ''کتاب التذکرہ'' میں چاروں مذاہب کے پیشواؤں (امام ابوحنیفہ، مالک، شافعی، احمد رحمہم اللہ) کے راویانِ سند کا تذکرہ قلمبند کیا ہے، اس لئے کہ ان

۱۔ ایضاً، ص ۲۳۶۔
۲۔ تعجیل المنفعہ بزوائد رجال الائمۃ الاربعۃ: ص ۱۰۸۔

ائمہ اربعہ کے بیانِ مذاہب میں ان کے قابل اعتماد استدلال اکثر و بیشتر وہ حدیثیں ہیں جو ان کی سندوں سے ان کی اسانید میں منقول ہیں۔ چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ کی "الموطا"، مالکی مذہب کی ایسی کتاب ہے جو اللہ کی فرمانبرداری اور شرعی احکام میں مالکی مذہب کے پیروؤں کی رہنمائی کرتی ہے اور "الموطا" میں جو آثار اور حدیثیں مروی ہیں وہ امام کی نظر میں صحیح ہیں۔ اسی طرح "مسند الشافعی" ہے کہ وہ امام شافعی رحمہ اللہ کے دلائل کی جامع ہے۔ اس میں ان کی صحیح مرویات کو پیش کیا گیا ہے۔ یہی حال "مسند ابی حنیفہ" کا ہے اور یہی خصوصیت "مسند احمد" کی ہے۔ یہ سب سے زیادہ جامع اور سب سے زیادہ عام ہے۔

مذکورہ بالا تصریح سے معلوم ہوا کہ حفاظ حدیث میں حافظ محمد بن علی بن حمزہ الحسینی رحمہ اللہ اور حافظ الدنیا ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ دونوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ امام مجتہد کا کسی حدیث سے استدلال کرنا اس کے یہاں صحیح ہونے کی دلیل ہے، ظاہری بات ہے بھلا مجتہد غیر صحیح حدیث سے بھلا کیونکر استدلال کرسکتا ہے۔

عہد تابعین میں فقہی ابواب پر سُنن و آثار کا اولین ذخیرہ

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی "کتاب الآثار" مجتہدین صحابہ و خیار تابعین اور فقہائے امصار سے مروی سنن و آثار کا مجموعہ، ابواب فقہ پر سب سے پہلا مرتب، قدیم ترین و معتبر ترین ذخیرہ ہے، اس کی عظمت کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ مسلم ائمہ کے دوسرے مجتہد امام مالک رحمہ اللہ نے "الموطاء" کی تالیف میں اس سے استفادہ اور اس کا تتبع اور پیروی کی ہے۔

چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں،

"من مناقب ابی حنیفة التی انفرد بها انه اول من دوّن علم الشریعة ورتبه ابوابا ثم تبعه مالک بن انس فی ترتیب "الموطا" ولم یسبق اباحنیفة احد".(1)

1۔ تبییض الصحیفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہ: ص ۳۶۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ان خصوصی مناقب میں سے جن میں وہ منفرد و یکتا ہیں، ایک یہ امر بھی ہے کہ وہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم شریعت کو مرتب و مدون کیا اور اس کی (فقہی) ابواب پر ترتیب کی، پھر امام مالک بن انس رحمہ اللہ نے "الموطا" کی ترتیب میں انہی کی پیروی کی اور اس امر میں امام ابوحنیفہؒ پر کسی کو سبقت حاصل نہیں ہے۔

اور نامور محدث ابن حجر مکی رحمہ اللہ کے بقول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے "کتاب الآثار" کا انتخاب چالیس ہزار احادیث میں سے کیا ہے۔(۱)

مسانید میں "مسند ابی حنیفہ" کا مقام

امام اعظم رحمہ اللہ کی احادیث و روایات کو بعض ایسے ائمۂ فن حفاظ نے جمع کیا جنہیں اپنی تالیفات میں موصوف کا تذکرہ کرنا بھی گوارا نہ ہوا، چنانچہ حافظ ابونعیم اصفہانی شافعی رحمہ اللہ المتوفی ۴۳۰ھ نے "کتاب حلیۃ الاولیاء" میں امام موصوف کا تذکرہ نہیں کیا اور اگر اپنی تصانیف میں ان کے متعلق کچھ لکھا بھی تو خلاف ہی لکھا، لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی "مسند" ترتیب دی اور ان کی احادیث و روایات کی خوب چھان بین کی مگر انہیں کوئی قابل گرفت بات نہیں مل سکی، حافظ ابن عدی جرجانی رحمہ اللہ المتوفی ۳۶۵ھ نے امام اعظم رحمہ اللہ کی "مسند" مرتب کی اول الذکر کی مسند زیور طبع سے آراستہ ہو کر بازار میں آ گئی ہے، اس میں ابونعیم اصفہانی رحمہ اللہ کو کوئی ایسی حدیث نہیں ملی، جسے وہ ضعیف یا موضوع قرار دیتے، ثانی الذکر کی "مسند" ابھی طبع نہیں ہو سکی۔ یہ بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی احادیث و آثار، روایات و مرویات کو بارگاہ الٰہی میں شرف قبول حاصل ہونے کی ایک دلیل ہے۔

مسانید کی تاریخ میں یہ خصوصیت و امتیاز بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی "مسند" کو حاصل ہے کہ اسے بہت سے حفاظ نے مرتب کیا ہے، چنانچہ حافظ ابن نقطہ حنبلی رحمہ اللہ (المتوفی ۶۲۹ھ) "کتاب التقییدلمعرفۃ الرواۃ والسنن والمسانید" میں رقم طراز ہیں:

---

۱ - مناقب الامام الاعظم: ۱/۹۵، امام ابن ماجہ اور علم حدیث، ۱۶۴۔

"وأما المسانيد، فمسند احمد بن حنبل، و مسند الشافعي و مسند أبي حنيفة جمعه غير واحد من الحفاظ." (۱)

اور البتہ مسانید تو مسند احمد بن حنبل اور مسند شافعی اور مسند أبی حنیفہ میں مسند أبی حنیفہ رحمہ اللہ کو بہت سے حفاظ حدیث نے جمع کیا ہے۔

یہ امر بھی امام اعظم رحمہ اللہ کی احادیث و آثار کے متداول و مقبول ہونے کی روشن دلیل ہے۔

روایات امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ان کے تلامذہ اور ائمہ حفاظ کا اعتنا

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے تلامذہ کا ان سے بکثرت حدیثوں کا سماع کرنا اور اپنی سند سے روایتیں بیان کرنا بھی تاریخ وسیرت کی کتابوں میں موجود ہے، چنانچہ حافظ محمد بن مطری رحمہ اللہ (۲۶۵-۳۶۰ھ) کے متعلق حاکم نیشاپوری رحمہ اللہ "تاریخ نیسابور" میں رقم طراز ہیں:

"شيخ العدالة ومعدن الورع والمعروف بالسماع والرحلة والطلب على الصدق والضبط والاتقان۔ (۲)

موصوف صفت عدالت میں ممتاز اور کانِ ورع وتقویٰ تھے، سماع حدیث و طلب حدیث کی خاطر سفر کرتے، راست گوئی اور ضبط واتقان کی صفت سے آراستہ تھے۔

موصوف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مرویات کو اپنی سند سے بیان کرتے تھے، چنانچہ ان کے شاگرد حافظ ابوالعباس احمد عقدۃ رحمہ اللہ (۲۴۹-۳۳۲ھ) کے متعلق علامہ سمعانی رحمہ اللہ المتوفی ۵۶۲ھ نے "کتاب الانساب" میں تصریح کی ہے کہ انہوں نے "احادیث أبي حنيفه" اور دوسرے محدثین کی حدیثوں کو موصوف کی سند سے بیان کیا ہے۔ (۳)

چوتھی صدی ہجری تک محدثین میں ائمہ فن کی حدیثوں کو یاد کرنے اور ان کا مذاکرہ کرنے کا سلسلہ قائم تھا، چنانچہ ان میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی حدیثوں کو یاد کرنے

۱- رفع الاعلام عن الائمۃ الأعلام: ۱۲/۱۔ ۲- الأنساب: ۳۲۵/۵، (ن مطری)۔ ۳- ایضاً۔

ان کا مذاکرہ کرنے اور ان سے برکت حاصل کرنے کا چلن بھی موجود تھا۔ چنانچہ حاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ "معرفة علوم الحدیث" کی انچاسویں نوع میں، اہل کوفہ کے تذکرے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نام کی صراحت موجود ہے۔(۱)

مذکورہ بالا عنوان کے تحت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی سند سے مروی سنن وآثار کے متعلق گیارہ باتیں آشکارا ہوتی ہیں:

۱۔ امام ابوحنیفہؒ تابعی ہیں۔
۲۔ معتبر و ثقہ راوی ہیں۔
۳۔ ائمہ فن حدیث میں سے ہیں۔
۴۔ غیر معروف نہیں مشہور امام ہیں۔
۵۔ ان کی حدیثوں سے اعتنا کیا جاتا رہا ہے۔
۶۔ انہیں سنا جاتا تھا۔
۷۔ یاد کیا جاتا تھا۔
۸۔ جمع کیا جاتا تھا۔
۹۔ ان کا مذاکرہ کیا جاتا تھا۔
۱۰۔ ان سے برکت حاصل کی جاتی تھی۔
۱۱۔ چوتھی صدی ہجری ۱۰۰۹ء تک اسلامی قلمرو کے مشرق ومغرب کے محدثین وحفاظ کا ان باتوں پر عمل جاری تھا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی "کتاب الآثار ومسانید" میں منقولہ احادیث وآثار کو یاد کیا جاتا اور ان کا مذاکرہ کیا جاتا تھا، اس لئے کہ "کتاب الآثار" ان کے تلامذہ میں متداول ومعمول بہا رہی ہے اس کی احادیث وآثار سے محدثین وحفاظ کے یہاں اعتناء پایا جاتا ہے، اور ائمہ فن کے یہاں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی کتاب کو قبول عام حاصل تھا۔

۱۔ معرفۃ علوم الحدیث، ص ۲۲۵، (ذکر النوع التاسع والاربعین من علوم الحدیث)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی روایات کے وجوہ ترجیح

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی روایات کے وجوہ ترجیح امور بالا کی روشنی میں حسب ذیل ہیں:

۱۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی فہم وفراست اور ان کی اصابت رائے پر کم وبیش تمام علما کا اتفاق ہے۔

۲۔ حفاظ حدیث میں ان کا شمار ہے۔

۳۔ وہ نہایت ثقہ ومعتبر راوی ہیں۔

۴۔ ائمہ فن سے انہیں احادیث کا بکثرت سماع حاصل ہے۔

۵۔ ان کی راویان حدیث کے مراتب پر گہری نظر ہے۔

۶۔ وہ خیار تابعین سے روایت کرتے ہیں۔

۷۔ ان کی سند میں زیادہ تر فقہائے امصار ہیں، جن کا مرتبہ ہر اعتبار سے نہایت بلند ہے۔

۸۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے زمانے کی خیر وبرکت اور بہتر ہونے کی مہر صداقت زبان رسالت سے ثابت ہے، چنانچہ حدیث میں آتا ہے:

"خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ......الخ"(۱)

زمانوں میں سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر ان کا ہے جو میرے بعد آئیں گے۔

۹۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے شیوخ واساتذہ کو تقدم زمانی حاصل ہے اس لئے کہ ان کا تعلق خیر القرون سے ہے۔

۱۰۔ اور انہیں تقدم علمی بھی حاصل ہے، اس لئے کہ ان کی سند بھی عالی ہے۔

۱۱۔ ان کے شیوخ واساتذہ سیادت وقیادت علمی سے ممتاز ہیں۔

۱۔ ترمذی: ۴/۱۳۸، رقم ۲۳۰۳۔

۱۲۔ صحاح کی زیادہ تر حدیثوں کا دارومدار ان کے شیوخ کی اسانید پر ہے۔

۱۳۔ شیوخ حدیث کی سند اور فقہاء کی سند سے مروی حدیث کی ترجیح کا مسئلہ اصول حدیث کی کتابوں میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد وکیع بن الجراح کی سند سے آیا ہے[۱] اور شیوخ کے مقابلہ میں فقہاء کی سند والی حدیث کو ترجیح حاصل ہوتی ہے، اس لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مروی حدیث کو ترجیح حاصل ہونا چاہیے۔

۱۴۔ ائمہ فن جرح وتعدیل کا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے سند پیش کرنا اس فن میں ان کی مہارت فن اور دقت نظر کی روشن دلیل ہے۔

۱۵۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ذخیرۂ سنن وآثار کا شرقاً وغرباً حفظ ومذاکرہ۔

۱۶۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث بیان کرنے کی شرائط سخت ہیں۔

الف۔ معرفت حدیث۔

ب۔ حفظ۔

ج۔ حدیث کی سماعت درست۔

د۔ فراست وفہم بھی صحیح ہو۔

ہ۔ اداء بھی سماعت کے مطابق ہو۔[۲]

یہی وجوہ واسباب ہیں جن کی بنا پر امام موصوف سے زیادہ حدیثیں مروی نہیں ہیں، چنانچہ سید الحفاظ یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

"کان ابو حنیفة ثقة لا یحدث الّا بما یحفظ و لا یحدث بما لا یحفظ"[۳]

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ثقہ تھے جو حدیث انہیں حفظ ہوتی صرف وہی بیان کرتے اور جو محفوظ نہ ہوتی اسے بیان نہیں کرتے تھے۔

۱۷۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امام فن "کتاب الآثار" کے مصنف ہیں، حدیث کی کتاب کی تصنیف، تقرب الٰہی کا وسیلہ ہے۔

۱۔ معرفۃ علوم الحدیث: ص ۱۱۔ ۲۔ الحجر رقی اصول الفقہ: ۱/۲۸۳-۲۸۴، سیر اعلام النبلاء: ۶/۴۰۱۔

۳۔ تاریخ بغداد: ۱۳/۴۱۹، الکفایہ فی علم الروایہ للخطیب: ص ۲۳۱۔

۱۸۔ امام ابوحنیفہ ؒ مقبول "کتاب الآثار" کے امام ہیں، ان کی پیروی اور تقلید کی جاتی ہے، ایسے امام سے روایت تقریب الٰہی کا ذریعہ ہے۔

دسویں صدی ہجری میں مذہب امام ابوحنیفہ ؒ کا تنقیدی جائزہ

دسویں صدی ہجری میں شیخ عبدالوہاب شعرانی شافعی ؒ (المتوفی ۹۷۳ھ) سے جیسے بالغ نظر محقق نے مذاہب اربعہ کا تنقیدی جائزہ لیا ہے، موصوف کو اس امر کا اعتراف ہے کہ امام ابوحنیفہ ؒ کا مذہب "قرآن وسنت اور آثار" کے مطابق ہے، چنانچہ امام موصوف رقمطراز ہیں۔

"وحاشاه رضی اللہ عنہ من القول في دين الله بالرأي الذي لايشهد ظاهر كتاب ولاسنة... وقد تتبعت بحمدالله أحواله وأقوال أصحابه لمّا ألفت كتاب أدلة المذاهب فلم أجد قولاً من أقواله، وأقوال أصحابه إلّا وهو مستند الى آية أو حديث، أو أثر، أوإلى مفهوم ذلك، أو إلى قياس صحيح على أصل صحيح."(۱)

اللہ تعالیٰ نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو دین اسلام میں ایسی رائے سے جس کا ظاہر کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ میں شاہد موجود نہ ہو، پیش کرنے سے بچایا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے بحمد اللہ میں نے جب ادلۃ المذاہب پر کتاب مرتب کی تو میں نے ان کے اور ان کے شاگردوں کے اقوال میں ہر قول کو دیکھا تو انہیں ا۔ آیت قرآنی، ۲۔ حدیث اور اثر، ۳۔ یا ان کے مفہوم، ۴۔ یا قیاس صحیح کی طرف جو اصل صحیح پر مبنی ہو، پایا ہے۔

اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ کسی امام فن کی دو، چار، چھ روایت پر کلام ہو یا اس سے دو، چار، دس غلطیاں ہو جائیں تو اس سے نہ اس کے علم پر حرف آتا ہے نہ اس کی علمی شان میں کوئی فرق آتا ہے، اساطین علم اور ائمہ فن سے بھی دو، چار، دس جگہ غلطیاں ہو جاتی ہیں، اس سے ان کی علمی قدر و منزلت اور جلالت شان میں کوئی کمی واقع

۱۔ المیزان الکبریٰ: ۱/ ۶۳۔

نہیں ہوتی۔ بھول چوک بڑے بڑوں سے ہوتی ہے، چنانچہ حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ، حسین المعلم رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۵۰ھ) کے تذکرے میں رقمطراز ہیں:

"لیس من شرط الثقة أن لا یغلط أبداً، فقد غلط شعبة و مالک و ناھیک بھما ثقة ونبلا وحسین المعلمّ ممن و ثقه یحییٰ بن معین و من تقدم مطلقاً وھو من کبار آئمة الحدیث۔"(۱)

ثقہ کی شرط یہ نہیں ہے کہ وہ کبھی غلطی نہ کرے، شعبہ رحمۃ اللہ علیہ سے غلطی ہوئی، مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بھول چوک ہوئی ہے، اور تمہارے لئے ان دونوں کی ثقاہت، شرافت وعظمت کے لئے یہی بات کافی ہے۔

حسین المعلم رحمۃ اللہ علیہ کی توثیق یحیٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے اور اس سے پہلے کے علماء نے اس کی مطلقاً توثیق کی ہے اور وہ کبار ائمہ حدیث میں سے ہیں۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ابوداؤد والطیالسی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۰۴ھ) کی فروگزاشت اور بھول چوک کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

"سلیمان بن داؤد، ابوداؤد الطیالسی ثقة ماعلمت به باساً وقداخطاء فی احادیث فکان ماذا۔"(۲)

سلیمان بن داؤد رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد والطیالسی رحمۃ اللہ علیہ ثقہ ہے، مجھے موصوف کے متعلق کسی خرابی کا علم نہیں، بلاشبہ کچھ حدیثوں میں ان سے بھول چوک ہوئی ہے، تو اس سے کیا ہوگیا، بھول چوک میں ایسا ہوتا رہتا ہے۔

شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ، علی بن فضیل رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرے میں فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۸۷ھ) کے متعلق رقم طراز ہیں:

"قلت : إذاکان مثل کبراء السابقین الأولین قدتکلم فیھم الروافض والخوارج ،و مثل الفضیل یتکلم فیه فمن الذی یُسلم من السنة

۱- سیر اعلام النبلاء:۶/۳۴۶۔ ۲- رسالة فی الرواة الثقات المتکلم فیھم بمالا یوجب ردھم: ص۸۹۔

الناس لكن إذا ثبتت امامة الرجل وفضله۔ لم يضره ماقيل فيه،[1]

میں کہتا ہوں جب سابقین اوّلین (حضرت ابوبکر، عمر، عثمان وعلی رضی اللہ عنہم) میں رافضیوں اور خارجیوں نے کلام کیا، اسی طرح فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ جو سنت کی اتباع کرتے تھے متقی تھے ان کے بارے میں کلام کیا گیا ہے تو ان لوگوں کی زبانوں سے کون بچ سکتا ہے؟ لیکن ایسے عالم کا جس کی امامت وفضیلت اور ورع وتقویٰ ثابت ہو، قیل وقال اور جرح وقدح سے کچھ نہیں بگڑتا۔

جرح وقدح میں معیار

جرح وقدح میں معیار عدل وانصاف کی ترازو ہے، اس کے باٹ امامت وتقویٰ ہیں، انصاف کی ترازو میں تو لو اس ترازو میں جو پورا اترے لوگوں کی قیل وقال اور جرح وقدح سے ان کا کچھ نہیں بگڑتا ہے، اسی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ اور دیگر ائمہ پر جرح وقدح پر علماء توجہ نہیں کرتے اور نہ ان سے اعتناء کرتے ہیں۔

کسی محدث کی حدیثوں کو نظرانداز کرنے کا معیار

کسی محدث کی حدیثوں کو نظرانداز کرنے کا معیار یہ ہے کہ وہم حدِ فاحش تک پہنچے، اس طرح درست اور صحیح حصہ بھی مغلوب ہو کر رہ جائے تو پھر وہ چھوڑنے کے لائق ہو جاتا ہے۔

چنانچہ ابوحاتم بستی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۳۵۴ھ) حافظ عبدالملک العرزمی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۴۵ھ) کے تذکرے میں رقم طراز ہیں:

"كان عبدالملك من خيار أهل الكوفة، و حفاظهم، والغالب على من يحفظ ويحدث من حفظه أن يهم، وليس من الإنصاف ترك حديث شيخ ثبت، صحت عدالته، لو سلكنا هذا المسلك للزمنا ترك حديث الزهري، وابن جريج، والثوري، و شعبة، لأنهم أهلُ حفظ و إتقان و كانوا يحدثون من

1- سیر اعلام النبلاء، ۸/ ۴۴۸۔

حفظهم، ولم یکونوا معصومین، حتی لایھموا فی الروایات۔ بل الاحتیاط و الأولی فی مثل ھذا قبول مایروی الثبت من الرویات، ترک ماصح أنه وھم فیه، مالم یفحش ذالک منه، حتی یغلب علی صوابه، فاذا کان کذالک، استحق الترک، حینئذ"(۱)

عبدالملک بن ابی سلیمان عرزمی رحمہ اللہ اہل کوفہ میں بہترین محدثین اوران کے بہترین حفاظ حدیث میں سے تھے، جس پر حفظ کا غلبہ ہوتا ہے اور وہ اپنی یادداشت وحفظ سے حدیث بیان کرتا ہے، (تو اسکو کبھی بلا اختیار) وہم لاحق ہو جاتا ہے، اور یہ انصاف کی بات نہیں

کہ ایسے متقن شیخ کی حدیث کو جس کی عدالت صحیح ہو، اس سے روایات میں کچھ وہم واقع ہو جائے تو اس کی حدیث کو چھوڑ دیا جائے، اگر ہم اس روش پر چلنے لگے تو ہم پر لازم ہو جائے گا کہ ہم زہری، ابن جریج، ثوری اور شعبہ رحمہم اللہ کی حدیثوں سے دست بردار ہو جائیں، اس لئے کہ وہ اہل حفظ واتقان تھے، اور وہ اپنے حافظے کے بل بوتے پر حدیثیں بیان کرتے تھے، وہ معصوم نہ تھے کہ روایات میں ان سے وہم نہ ہوتا ہو، بلکہ ایسی صورت میں احتیاط اور بہتر یہ ہے کہ ایسے متقن کی روایات کو قبول کیا جائے، اور اس کی ان روایات کو چھوڑ دیا جائے، جن میں صحیح طریقے سے یہ ثابت ہو جائے کہ ان میں وہم ہوا ہے اور اس سے وہم حد فاحش تک نہ پہنچے کہ اس کا درست اور صحیح حصہ بھی مغلوب ہو کر رہ جائے جب ایسا ہو جائے تو اس وقت وہ چھوڑنے کے لائق ہو جاتا ہے۔

یہ معیار ہے جس پر کسی محدث کو اور اس کی روایات کو نظر انداز کیا جاتا ہے، چنانچہ محقق عبدالعزیز بخاری رحمہ اللہ (المتوفی ۷۳۰ھ) رقمطراز ہیں:

"لیس کل من اتھم بوجه ساقط الحدیث مثل عبداللّٰہ بن لھیعه، والحسن بن عمارة، و سفیان الثوری، وغیرھم، وأنه قدطعن فی کلّ واحد منھم بوجه، ولکن علو درجتھم فی الدین و تقدم رتبتھم فی العلم و الورع منع من قبول

۱۔ کتاب الثقات: ۷/۹۷۔۹۸، الانساب: ۴/۱۷۸۔

ذلک الطعن في حقهم، ومن ردِحديثهم به، اذلو رُد حديث امثال هؤلاء بطعن كلّ أحد، انقطع طريق الرواية واندرس الأخبار، إذلم يوجد بعد الانبياء علیہم السلام من لايوجد فيه ادنىٰ شي ممايجرح به إلاّمَن شاء الله تعالىٰ، فلذٰلک لم يُلتفت إلى مثل هٰذا الطعن ويحمل على أحسن الوجوه، وهو قصد الصيانة كما ذكر۔ (۱)

ہر وہ عالم جسے کسی وجہ سے متہم کیا گیا اس کی روایت ساقط الاعتبار نہیں، جیسے عبداللہ بن لہیعہ، حسن بن عمارہ اور سفیان ثوری رحمہم اللہ وغیرہ، ان میں سے ہر ایک پر کسی نہ کسی وجہ سے طعن وحرف گیری کی گئی ہے، لیکن دین میں ان کے بلند مراتب اور علم وتقویٰ میں ان کے مرتبہ ومقام کی عظمت، ان کے حق میں ان کے طعن وتشنیع کو قبول کرنے اور ان کی حدیث کو رد کرنے سے مانع ہے۔ اس لئے کہ اگر ان جیسے بلند پایہ حفاظ ومحدثین کی حدیث کو ہر ایک کی طعن وتشنیع سے رد کیا گیا تو روایت کا راستہ بند ہو جائے گا اور سلسلہ روایت ہی مٹ جائے گا، اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد شاذ ونادر کوئی ہو جس پر ادنیٰ سی جرح بھی نہ کی گئی ہو، اس لئے اس جیسے طعنوں کی طرف توجہ نہیں کی گئی اور اس کا بہت اچھا محمل نکالا گیا، اور اس قسم کے طعن سے ان کی حفاظت کرنا لازم ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی چند حدیثوں پر ابن عدی رحمہ اللہ (المتوفی ۳۶۵ھ) اور دارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی ۳۸۵ھ) کو اعتراض ہے۔

اولاً علماء نے ان کے جواب دیئے ہیں۔ ثانیاً پانچ دس حدیثوں پر کلام ہر مجتہد اور امام فن کے یہاں موجود ہے، کوئی امام بھی معصوم نہیں، آخر امام اعظم بشر تھے، نبی تو نہیں کہ ان سے خطا نہ ہو۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے روایت پرستوں کی مخالفت کے عناصر اربعہ

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے روایت پرست محدثین کی مخالفت کے مندرجہ ذیل چار عناصر ہیں:

۱۔ کشف الاسرار: ۳/ ۲۷۔

۱۔ رائے وقیاس کا استعمال،
۲۔ صحیح سند سے آئی ہوئی حدیثوں کا رد،
۳۔ ارجاء کا قول،
۴۔ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فطانت وذہانت۔ (سبب حسد)

۱۔ رائے وقیاس کا استعمال

مذکورۂ بالا عناصر اربعہ کا تحقیقی جائزہ حافظ مغرب علامہ ابن عبدالبر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ ۴۶۳ھ نے لیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ:

''اصحاب الحدیث، ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی برائی کرنے میں حدود سے باہر نکل گئے ہیں، ان کے یہاں اس کی وجہ یہ ہے کہ: موصوف نے آثار میں رائے اور قیاس کو داخل کیا اور رائے وقیاس کا اعتبار کیا، حالانکہ بیشتر اہل علم کہتے ہیں کہ: ''جب اثر وحدیث صحیح ثابت ہو جائے تو قیاس اور نظر باطل ہو جاتی ہے''۔ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اثر وحدیث کو رد کرنا اس محتمل تاویل کی وجہ سے ہے جو اخبار آحاد میں پائی جاتی ہیں، حالانکہ امام موصوف سے پہلے بہت سے اہل علم یہ کام سرانجام دے چکے ہیں اور ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ انہی کی روش پر چلے ہیں جو ان کی طرح رائے کے قائل تھے، اسی قسم کی تمام تر باتیں جن کی نسبت ان کی طرف کی جاتی ہے۔ وہ موصوف کے اہل بلد (فقہاء) جیسے ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ کی پیروی کا ثمرہ ہیں، مگر بات اتنی ہے کہ موصوف اور ان کے شاگرد، نت نئے پیش آنے والے مسائل کو حل کرنے میں بہت زیادہ منہمک رہے ہیں۔ اور ان مسائل میں انہوں نے قیاس واستحسان سے جواب دیا، اس لئے اس میں سلف کا اختلاف زیادہ ہوا اور یہ ان کے مخالفین کے نزدیک نئی اور بری بات تھی۔ اور اہل علم میں سے میرے علم میں کوئی ایسا نہیں جس سے:

۱۔ آیت میں تاویل منقول نہ ہو، یا
۲۔ سنت میں اس کا کوئی مذہب ہے تو اس مذہب کی وجہ سے اس نے دوسری سنت کو مناسب تاویل سے رد نہ کیا ہو یا

۳۔ اس کے متعلق نسخ کا دعویٰ نہ کیا ہو، مگر بات یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے یہ بات دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ پائی گئی اور دوسروں میں یہ بات کم پائی گئی ہے۔(۱)

تفریع مسائل میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا نقطۂ نظر

پیش آنے والے مسئلوں کا حل پہلے نکالنا چاہئے تاکہ وقت پر کسی طرح کی زحمت نہ ہو، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ المتوفی ۱۱۷ھ کوفہ آئے اور" دار ابی بردہ" میں ٹھہرے، ایک مجلس میں موصوف نے حلال وحرام کے مسئلے پوچھنے کی اجازت دی، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: "ایک عورت کی شادی ہوئی، شوہر برسوں سے غائب ہے، اس نے سمجھا کہ وہ مرگیا ہے، دوسری شادی کی پھر پہلا خاوند آگیا" آپ اس کے مہر کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ قتادہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا ایسا ہوا ہے، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں، فرمایا: فرضی مسائل کیوں پوچھتے ہو؟ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"إنا نستعد للبلاء قبل نزوله، فاذا وقع، عرفنا الدخول فيه والخروج منه۔"(۲)

امتحان کے لئے ہمیں تیار رہنا چاہئے، تاکہ جب وہ آئے تو ہم اس میں پھنسنا اور اس سے نکلنا جانتے ہوں۔

اس ترقی یافتہ دور میں منصوبہ بندی زندگی کے ہر شعبے میں کامیابی کا راز ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ دوسری صدی ہجری کے نصف اول میں بھی اس پر عمل پیرا تھے۔

۴۔ امام مالک رحمہ اللہ کے یہاں صحیح احادیث کا رد

اور یحییٰ بن سلام رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ: میں نے عبداللہ بن غانم رحمہ اللہ سے ابراہیم بن اغلب رحمہ اللہ (۱۴۰۔ ۱۹۶ھ/ ۷۵۷۔ ۸۱۲ء) کی مجلس میں سنا، وہ لیث بن

۱۔ جامع بیان العلم وفضلہ: ۲/۱۴۸۔ ۲۔ تاریخ بغداد: ۱۳/۳۴۸، اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ، ص ۳۶۔

سعد رحمہ اللہ (۹۴۔۱۷۵ھ/۷۱۳۔۷۹۱ء) سے نقل کرتے تھے، کہ لیث کا بیان ہے کہ: میں نے امام مالک بن انس رحمہ اللہ کے مسائل کو شمار کیا، تو میں نے پورے ۷۰/ستر مسئلوں میں انہیں رسول اللہ ﷺ کی سنت کے خلاف پایا، یہ وہ مسائل ہیں جن میں امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی رائے سے فتویٰ دیا، لیث رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ: ''میں نے اس سلسلے میں امام مالک رحمہ اللہ کو لکھا تھا'' انہوں نے قبول نہیں کیا۔ (1)

ہر مجتہد ثقہ راوی کی ہر روایت کو قبول نہیں کرتا، امام مالک رحمہ اللہ نے ستر روایتوں کو قبول نہیں کیا، جیسا کہ آپ کو امام لیث رحمہ اللہ کی تصریح سے معلوم ہوا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں صحیح حدیثوں کا رد

ہر مجتہد کے یہاں کچھ اصول ہوتے ہیں، ان اصول سے جب کوئی صحیح حدیث ٹکراتی ہے، وہ اس حدیث کو رد کرتا ہے، یہ بات امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں بھی موجود ہے۔ چنانچہ فقیہ ابو اسحاق الشیرازی رحمہ اللہ المتوفی ۴۷۶ھ فرماتے ہیں کہ:

معتبر و ثقہ راوی جب روایت کرے تو اس کی صحیح روایت کو پانچ باتوں کی وجہ سے رد کیا جاتا ہے۔

۱...... ایک یہ کہ جن باتوں کو عقل ضروری قرار دیتی ہے، ان کی وہ مخالفت کرتی ہو، اس بات سے اس کا باطل ہونا معلوم ہو جاتا ہے، اس لئے کہ شریعت عقل و دانش کی باتوں کو درست قرار دینے کے لئے آئی ہے، خلاف عقل باتوں کے لئے نہیں آئی ہے۔

۲...... دوسری یہ کہ وہ ثقہ کی روایت جو کتاب اللہ کے صریح حکم یا سنت متواترہ کے صریح خلاف ہو۔ اس بات سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے یا وہ منسوخ ہے۔

۳...... تیسری یہ کہ ثقہ کی وہ روایت اجماع کے مخالف ہو یہ بات اس امر کی دلیل ہے کہ وہ روایت منسوخ ہے، اس کی کوئی اصل و بنیاد نہیں ہے، اس لئے کہ یہ درست

۱- جامع بیان العلم، ایضاً: ۲/ ۱۴۹۔ ۱۵۰۔

نہیں کہ وہ صحیح ہو منسوخ نہ ہو، اور امت مسلمہ اس کے خلاف اجماع کر بیٹھے۔

۴...... چوتھی بات یہ ہے کہ ثقہ راوی ایسی روایت میں منفرد ہو، جس کا جاننا سب پر ضروری ہے، یہ بات اس امر کی دلیل ہے کہ یہ ایک بے بنیاد بات ہے، اس لئے یہ کیسے درست ہوسکتا ہے کہ اس کی اصل و بنیاد ہو اور عظیم خلقت میں اس کا علم صرف اس کو ہی ہو اور کسی اور کو نہ ہو۔

۵...... پانچویں بات یہ کہ ثقہ راوی ایسی روایت میں منفرد ہو جسے عادۃً اہل تواتر سب ہی نقل کرتے ہوں، تو وہ روایت قابل قبول نہیں ہوگی، اس لئے کہ یہ درست نہیں کہ اس طرح کی روایت میں یہ منفرد ہوگا۔ (۱)

ان حقائق کی روشنی میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر صحیح حدیث کے رد کرنے کا الزام دھرنا کیا انصاف کہا جاسکتا ہے۔

اور علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: "علمائے امت میں کسی عالم کو میں ایسا نہیں پاتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو ثابت کرتا ہو اور

۱۔ اس جیسی حدیث سے اس کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کئے بغیر اسے رد کرتا ہو، یا

۲۔ اجماع کے خلاف ہونے کا، یا

۳۔ ایسے عمل کے مخالف ہونے کا جس کی پیروی لازم ہے، یا

۴۔ اس کی سند میں طعن کا دعویٰ کئے بغیر حدیث کا رد کرتا ہو، اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اس کی عدالت ہی ساقط ہو جائے گی چہ جائے کہ اس کو امام بنایا جائے۔ اس کے ساتھ اس پر فسق کا گناہ بھی آئے گا۔ (۲)

۳۔ امام اعظم رحمہ اللہ پر ارجاء کا الزام

وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ارجاء کے قائل ہونے کی وجہ سے بھی دشمنی رکھتے ہیں، حالانکہ اہل علم میں بہت سے علماء کی طرف ارجاء کی نسبت ثابت ہے، لیکن کسی نے اُن کی

۱- کتاب اللمع فی اصول الفقہ: ۴۲/۔ ۲- جامع بیان العلم وفضلہ: ۲/ ۱۴۸۔

نسبت نازیبا و نامناسب باتیں نقل کرنے کی طرف توجہ نہیں کی، جیسی کہ انہوں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی بابت نقل کرنے میں دلچسپی لی ہے، اس لئے کہ انہیں امامت کا رتبہ حاصل ہے۔ مگر انہیں یہ درجہ حاصل نہیں۔ (۱)

یہاں یہ بات سمجھنی چاہئے کہ دل سے اللہ تعالیٰ کو لائق عبادت جاننا اور حضرت محمد ﷺ کو اللہ کا بندہ و رسول ماننا اور زبان سے اس امر کا اقرار کرنا ایمان ہے، اس کا ثمرہ ونتیجہ جہنم کی آگ سے نجات ہے۔

ایمان کی مذکورہ بالا تعریف سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ایمان کا تعلق قلب سے ہے، جوارح (ہاتھ پاؤں) سے جو کام انجام پاتا ہے، اسے عمل کہا جاتا ہے، ایمان اور عمل دونوں جداگانہ چیزیں ہیں، لہذا ہر ایک کا حکم بھی مختلف ہوگا۔

یہاں یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ عمل کے چھوٹ جانے سے ایمان کا اس حیثیت سے کچھ نہیں بگڑتا کہ وہ اسے دائرۂ ایمان سے خارج کرتا ہو؛ دلیل اس بات کی یہ ہے کہ قرآن گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والے کو "مومن" کے لفظ سے یاد کرتا ہے چنانچہ آیۂ شریفہ میں ارشاد ہے:

"وَإِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَأَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا" (۲)

اور اگر دو فریق مسلمانوں کے آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں ملاپ کراؤ۔

قتال بلاشبہ کبیرہ گناہ ہے لیکن قرآن کریم نے ان باہم لڑ پڑنے والوں کو "مومنین" کے لفظ سے یاد کیا ہے، اسلام سے خارج نہیں کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایمان اور عمل یہ دونوں مختلف چیزیں ہیں، ایک دوسرے کا جز نہیں ہیں، عمل کو اگر ایمان کا جز مانا جائے تو لازم آئے گا کہ جو شخص اعمال کا پابند نہ ہو، وہ شخص مومن بھی نہ ہو۔

معتزلہ و خوارج اس کو جزء ایمان سمجھتے ہیں، اس لئے خوارج ایسے شخص کو کافر کہتے ہیں۔ معتزلہ ایسے شخص کو نہ کافر کہتے ہیں نہ مومن مانتے ہیں۔

۱- جامع بیان العلم: ۲/۱۴۸۔

۲- سورۃ الحجرات: آیت ۹۔

اہل سنت والجماعت کہتے ہیں: جو شخص ایمان رکھتا ہے اور فرائض اس سے ترک ہو جاتے ہیں وہ مسلمان ضرور ہے لیکن گنہگار مسلمان ہے، اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے اسے سزا دے یا معاف کرے، ایمان وعمل کے درمیان فرق کی وجہ سے محدثین امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اوران کے نامور شاگرد امام ابویوسف، امام محمد، امام زفر، حسن بن زیاد رحمہم اللہ وغیرہ کو مرجئہ کہتے ہیں۔ ارجاء کے معنی تاخیر کے ہیں، اعمال میں کوتاہی کرنے والوں اور فرائض کو پابندی سے ادا نہ کرنے والوں کے معاملے کو آخرت میں اللہ تعالیٰ پر چھوڑتے ہیں اور فی الفور اسکے جہنمی ہونے کا حکم نہیں لگاتے۔ اس لئے محدثین ان پر ارجاء کا الزام لگاتے ہیں اور انہیں مرجئہ کے نام سے یاد کرتے ہیں، جو اس قسم کا عقیدہ رکھتے ہیں، وہ مرجئہ مرحومہ کہلاتے ہیں اور جو فی الفور حکم لگا کر اسے جہنمی کہتے ہیں، انہیں مرجئہ ملعونہ اور مرجئہ ضالہ کہا جاتا ہے۔ ان سے اہل سنت والجماعت کا کوئی تعلق نہیں، محدثین کا ارجاء کی تہمت سے در پردہ اشارہ اس طرف ہوتا ہے۔

محدثین کرام کا مذہب ایمان وعمل میں تفریق کا نہیں ہے، چنانچہ حافظ عبدالرزاق بن ہمام رحمہ اللہ صاحب المصنف (۱۲۶-۲۱۲ھ) کا بیان ہے:

"سمعت مالكاً، والاوزاعي، وابن جريج، والثوري و معمراً يقولون: الإيمان قول و عمل، يزيد و ينقص۔"(1)

میں نے امام مالک، اوزاعی، ابن جریج، سفیان ثوری اور معمر رحمہم اللہ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ایمان قول وعمل کا نام ہے۔ یہ بڑھتا گھٹتا ہے۔

اس لئے بھی یہ حنفیہ پر طعن کرنے سے نہیں چوکتے۔

ائمہ اسلام اور علماء خراسان میں سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد، حافظ ومحدث خراسان ابراہیم بن طہمان نیشاپوری رحمہ اللہ المتوفی ۱۶۳ھ جو صحاح ستہ کے راویوں میں ہیں، ان کے متعلق جب سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ المتوفی ۱۹۸ھ نے اپنے شاگرد ابو الصلت عبدالسلام ہروی رحمہ اللہ المتوفی ۲۳۶ھ سے کہا:

۱۔ سیر اعلام النبلاء: ۷/۲۵۲، (تذکرہ سفیان ثوری)۔

"ماقدم علينا خراسانى أفضل من أبى الرجاء عبدالله بن واقد الهروى۔"

ہمارے پاس کوئی خراسانی ابوالرجاء عبداللہ بن واقد الہروی رحمہ اللہ المتوفی بعد ۱۶۰ھ سے زیادہ بڑھ کر عالم نہیں آیا۔

ابوالصلت رحمہ اللہ نے عرض کی: ابراہیم بن طہمانؒ بھی آئے تھے، ابن عیینہ رحمہ اللہ نے کہا "كان ذاك مرجئاً" میں سے تھا، پھر ابوالصلت نے کہا:

"لم يكن إرجاء هم هذا المذهب الخبيث بأنّ الايمان قول بلاعمل وأن ترك العمل لايضر بالإيمان، بل كان إرجاؤهم أنهم يرجون لأهل الكبائر الغفران رداً على الخوارج وغيرهم،الذين يُكَفِّرون الناس بالذنوب۔"

ان کا ارجاء اس گمراہ اور خبیث مذہب کا جیسا نہیں تھا کہ، ان کا (عقیدہ) ایمان بلاعمل ہے کہ ترک عمل ایمان کو ضرر نہیں پہنچاتا، بلکہ اِن کا ارجاء یہ ہے کہ وہ کبیرہ گناہ کرنے والے گنہگاروں کی مغفرت کا معاملہ آخرت میں اللہ تعالیٰ پر مؤخر رکھتے ہیں، وہ چاہے انہیں سزا دے اور چاہے نہ دے۔ یہ خوارج ومعتزلہ وغیرہ پر رد ہے۔

جو گنہگار لوگوں کو ان کے گناہوں کے سبب کافر کہتے، اور مسلمان نہیں سمجھتے، ان سے جنگ کرتے ہیں، یہ عقیدہ مرجۂ ضالہ (گمراہ) کا ہے۔ اور جس عقیدہ کا اوپر ذکر آیا ہے وہ مرجۂ مرحومہ کا ہے، یہ اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔

محدث وحافظِ خراسان ابراہیم بن طہمان مکی رحمہ اللہ شاگرد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا تذکرہ اوپر آیا ان کے علم وفضل اور حدیث میں ان کے مقام کا اندازہ امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ المتوفی ۲۳۷ھ کے اس قول سے کیا جاسکتا ہے، وہ فرماتے ہیں:

"كان صحيح الحديث، كثير السّماع، ماكان بخراسان اكثر حديثاً منه وهو ثقة۔"(۱)

ابراہیم بن طہمان رحمہ اللہ کے پاس صحیح حدیثیں تھیں، موصوف نے کثرت سے سماع کیا تھا، خراسان میں ان سے زیادہ کسی کے پاس حدیثیں نہیں تھیں۔

۱۔ سیر اعلام النبلاء: ۷/۳۸۰۔

تقویٰ و پرہیزگاری میں ان کے مرتبے کا اندازہ امام ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ کے بیان سے کیا جاسکتا ہے۔فرماتے ہیں:

"کنت عند احمد بن حنبل فذكر إبراهيم بن طهمان،و كان متكئامن علة فجلس، وقال: لاينبغي ان يذكر الصالحين فيتكا"

میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھا تھا کہ ابراہیم بن طہمان رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر آیا امام احمد رحمۃ اللہ علیہ (بیماری کی وجہ سے) تکیے کے سہارے سے بیٹھے تھے،تو سہارا چھوڑ کر ادب سے بیٹھ گئے اور فرمایا: یہ مناسب نہیں کہ بزرگوں کا ذکر آئے اور آدمی تکیے کے سہارے بیٹھا رہے۔

یہ تھا ابراہیم بن طہمان رحمۃ اللہ علیہ کا علم وفضل اور ورع وتقویٰ میں مقام،اب ذرا ان کے متعلق محدثین کے ارجاء کے اقوال بھی سنئے۔امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"كان مرجئا شديد اعلى الجهمية"

یہ ارجاء کا قائل تھا،جہمیہ کی تردید میں بہت سخت تھا۔ابوحاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۲۷۷ھ فرماتے ہیں:

"شيخان بخراسان مرجئان ـ ابوحمزه السكرى و ابراهيم بن طهمان و هماثقتان"

خراسان میں دو شیخ الحدیث ہیں،اور وہ مرجئہ میں سے ہیں،ابوحمزہ سکری اور ابراہیم بن طہمان رحمہما اللہ اور یہ دونوں ثقہ ہیں۔

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۳۸۵ھ فرماتے ہیں:

"ثقة إنما تكلموا فيه للإرجاء"

یہ ثقہ ہے،اور ارجاء کی وجہ سے محدثین نے اس میں کلام کیا ہے۔

نامور مجتہدین اور ائمہ حدیث کا تعلق مرجئہ اہل سنت والجماعت سے ہے۔حافظ علامہ احمد بن علی البیکندی السلیمانی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۴۰۴ھ نے جب امام سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ رحمہما اللہ کے شیخ علامہ حافظ مسعر بن کدام رحمۃ اللہ علیہ (جو حدیث میں حجت مانے

جاتے تھے، اور جنہیں پختگی واتقانِ علم کی وجہ سے مصحف کہا جاتا تھا۔) کی اور دوسرے ائمہ مجتہدین اور حفاظِ حدیث کی نسبت فرمایا کہ وہ مرجئہ میں سے تھے تو علامہ شمس الدین الذہبی رحمہ اللہ اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”لاعبرة بقول السليماني كان من المرجئة مسعر وحمادبن أبي سليمان، و النعمان، و عمروبن مرة، و عبدالعزيز بن رُوّاد، وابومعاوية، و عمر بن زر...... و سرد جماعة،[1] قلت الارجاء مذهب لعدة من جلة العلماء ولا ينبغي التحامل على قائله۔[2]

حافظ السلیمانی رحمہ اللہ کے اس قول کا کہ: (ع) مسعر (۱۵۲ھ/۷۶۹ء) حماد بن ابی سلیمان (۰۰۔۱۲۰/۰۰۔۷۳۸ء)، نعمان (۸۰۔۱۵۰ھ/ ۶۹۰۔۷۶۷ء)۔ عمرو بن مرہ (۱۱۶ھ/۷۳۴ء)۔ عبدالعزیز بن ابی رواد (۰۰۔۱۵۹ھ/۰۰۔۷۷۶ء)۔ ابومعاویہ (۰۰۔۱۹۵ھ/ ۰۰۔۸۱۱ء) س۔ عمر بن ذر رحمہم اللہ (۰۰۔۱۵۶ھ/ ۰۰۔۷۷۳ء) اور ایک جماعت کو نام بنام بیان کیا ہے اور کہا کہ یہ مرجئہ (ضالہ) میں سے ہیں۔ میں کہتا ہوں ارجاء جلیل القدر علماء کی ایک جماعت کا مذہب ہے۔ اس عقیدے کو اختیار کرنے اور اس کے ماننے والوں پر زیادتی کرنا اور ارجاء کا الزام ان پر دھرنا مناسب نہیں۔

ارجاء کے مسئلے میں بعض حنفی حفاظ کے غلو اور ان کی بعض نامناسب تعبیرات نے اہل علم پر برا اثر ڈالا، چنانچہ شیخ الحرم حافظ عبدالمجید بن عبدالعزیز مکی رحمہ اللہ (المتوفی ۲۰۶ھ) جو بڑے عابد وزاہد بھی تھے، لیکن ارجاء کے مسئلے میں حد سے تجاوز کر گئے تھے، چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ موصوف کے متعلق فرماتے تھے:

”كان فيه غلوفي الإرجاء“

موصوف ارجاء میں حد سے بڑھ گئے ہیں اور علامہ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ موصوف کے متعلق رقمطراز ہیں کہ:

ارجاء کے مسئلے میں گرفتار اس شخص سے اللہ تعالیٰ درگزر فرمائے اور ہمیں اور

۱۔ میزان الاعتدال کے مطبوعہ نسخوں میں ”عمرو بن ذی“ چھپا ہے، صحاح الستہ کے رواۃ میں اس نام کا کوئی راوی ہمیں نہیں معلوم والصحیح ما اثبتناہ۔

۲۔ میزان الاعتدال: ۴ر۹۹، ترجمہ مسعر۔

تمہیں سنت کی مخالفت سے بچائے۔اس امت کے کثیر تعداد میں علما ارجاء کے قائل تھے، انہوں نے اپنے اس قول(انا مومن حقاً عنداللہ الساعۃ) میں کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کے نزدیک یقیناً مومن ہوں کو اپنا کیوں مذہب نہیں بنایا، اس حقیقت کے اعتراف کے باوجود کہ وہ نہیں مانتے کہ مومن کا خاتمہ ایمان پر ہوگا یا کفر پر، مذکورہ بالا جملہ زبان سے نکالنا بدعت ہے۔(یعنی متقدمین مرجئہ نے جب یہ قول(انا مومن حقاً الخ) اختیار نہ کیا تو متاخرین کا اس قول کو اختیار کرنا بدعت ہے)اور غالی مرجئہ کی یہ بات بھی بہت سخت ہے کہ ایمان صرف دلوں کا اعتقاد ہے، نماز کا چھوڑنے والا، زکوٰۃ نہ دینے والا، شراب کا پینے والا، لوگوں کو جان سے مارنے والا، زنا کرنے والا، ایسے تمام لوگ کامل الایمان ہیں، یہ جہنم میں نہیں جائیں گے، اور انہیں کبھی عذاب نہ ہوگا۔

انہوں نے شفاعت کی متواتر حدیثوں کو رد کیا، ہر فاسق وفاجر کو، ہر ڈاکو کو، برباد اور تباہ کرنے والی باتوں پر دلیرانہ عمل کرنے کا پروانہ دے رکھا ہے، رسوائی سے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔[1]

فطانت، ذہانت، سبب حسد

مذکورۂ بالا خوبیوں سے آراستگی کے باوجود ان سے حسد کیا جاتا ہے اور امام موصوف کی طرف ایسی باتوں کی نسبت کی جاتی ہے، جو ان میں نہیں ہیں اور ان کی نسبت ایسی باتیں گھڑی جاتی ہیں، جو ان کی شان کے لائق ہی نہیں ہیں، حالانکہ علماء کی ایک جماعت نے امام موصوف کی تعریف کی اور ان کی عظمت وفضیلتِ شان کو بیان کیا ہے،[2] ابن عبدالبر رحمہ اللہ کہتے ہے کہ: وہ اہل علم جنہوں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کی ہے، انہوں نے امام موصوف کی توثیق کی ہے، ان کی تعریف کرنے والوں کی تعداد مذمت کرنے والوں سے بہت زیادہ ہے۔

۱ – سیر اعلام النبلاء: ۹/۴۳۶۔ ۲ – جامع بیان العلم: ۲/۱۴۸۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر نکتہ چینی کے دو اہم سبب

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر نکتہ چینی کا ایک سبب موصوف کا رائے و قیاس (فقہی بصیرت) سے زیادہ کام لینا ہے۔ دوسرا ارجاء کا قائل ہونا ہے۔

اسلاف میں بڑائی کا معیار

اسلاف میں بڑائی کا معیار لوگوں کا ان کے متعلق متضاد رائے رکھنا ہے، اور یہ مشہور بات ہے کیا تم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف نہیں دیکھتے؟ ان دو گروہ میں ایک حد سے زیادہ چاہنے والا، دوسرا حد سے زیادہ بغض و کینہ رکھنے والا، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ: ''دو آدمی برباد ہوں گے (ایک) حد سے زیادہ محبت کرنے والا (دوسرا) کینہ رکھنے والا اور بہتان باندھنے والا''، قدر و منزلت رکھنے والوں کی یہی صفت ہوتی ہے جو دینداری و فضل و کمال میں انتہا کو پہنچتے ہیں۔ (1)

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر طعن و تشنیع کا ثمرہ

بایں ہمہ فضل و کمال اور قبولیت و شہرت، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر بہت طعن و تشنیع کی گئی، مستقل کتابیں اور رسالے لکھے گئے، لیکن اس کا جو نتیجہ نکلا اس کے متعلق محقق عبدالعزیز رحمہ اللہ (المتوفی ۷۳۰ھ) ''شرح اصول بزدوی'' میں تحریر فرماتے ہیں:

"وقد طعن الحساد في حقه بهٰذا الجنس كثيراً، حتى صنفوا في طعنه كتباً و رسائل، ولكن لم يزده طعنهم إلا شرفاً و علواً، ورفعة بين الأنام و سمواً، فشاع مذهبه في الدنيا، و اشتهر و بلغ اقطار الأرض نور علمه و انتشر (۲)

اور حاسدوں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے متعلق اس قسم کے بے سروپا اعتراضات بہت کیے ہیں، لیکن اس طعن و تشنیع نے ان کی عزت و شرف میں اضافہ کیا، اور خلق خدا میں ان کی سرفرازی اور بلندی کو بڑھایا، چنانچہ امام کا مذہب دنیا میں خوب پھیلا، پھلا پھولا اور چار دانگ عالم میں ان کے علم کی روشنی پہنچی اور ان کے علم کی خوب نشر و اشاعت ہوئی۔

۱- ایضاً، ص ۱۴۸۔۱۴۹۔ ۲- کشف الاسرار: ۲۶۴/۳ ۔

تقلید مجتہدین خیر القرون میں!

عقل وشرع دونوں کا فتویٰ ہے اور سب کو معلوم بھی ہے کہ نادان اور دانا، عالم اور جاہل، خاصی اور عامی کسی امر کی حقیقت معلوم کرنے میں برابر نہیں، خواہ اس امر کا تعلق علوم دنیوی سے ہو یا علوم دینی سے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ، إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ"(۱)

"آپ فرما دیجیے! کہیں برابر ہوتے ہیں علم والے اور بے علم، سوچتے وہی ہیں جو عقل رکھتے ہیں۔"

فارسی کی مشہور مثل ہے: "علم شے به از جہل شے" اسی لیے بے علم کو یہ ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ ہر معاملے میں اہل علم سے رجوع کیا کرے، شریعت میں تو اس کی اور زیادہ تاکید ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے:

"فَاسْئَلُوْا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ"(۲)

"سو پوچھ لو یاد رکھنے والوں سے اگر تم علم نہیں رکھتے۔"

اور حدیث نبوی ﷺ میں وارد ہے:

"شفاء العي السوال"(۳)

۱-سورۃ الزمر: آیت ۹۔ ۲-سورۃ النحل: آیت ۴۳۔

۳-(رواہ ابوداؤد: ۳/۳۲۷ حدیث ۳۳۷، وابن ماجہ: ۱/۱۸۹ حدیث ۵۷۲، والحاکم: ۱/۱۷۸، والدارقطنی: ۱/۱۹۰۔

''درماندہ کا علاج ہی دریافت کر لینا ہے۔''

معلوم ہوا کہ غیر اہل علم کو جب بھی ضرورت پیش آئے ''اہل علم'' سے مسئلہ دریافت کر کے اس پر عمل کرے۔ لیکن شریعت کا مسئلہ بتانا ہر شخص کا کام نہیں، اس کے لیے دینی تفقہ کی ضرورت ہے، جو شخص فقیہ نہ ہو اس کا فتویٰ قابل قبول نہیں، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

''وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوْا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ''۔ (۱)

''اور ایسا تو نہیں کہ سارے ہی مسلمان نکل کھڑے ہوں، پھر کیوں نہ نکلا ہر جماعت میں سے ان کا ایک حصہ، تا کہ وہ دین میں سمجھ پیدا کریں اور جب اپنی قوم کی جانب لوٹ کر آئیں تو ان کو ڈرائیں، تا کہ وہ (خدا کی نافرمانی سے) بچتے رہیں''۔

اس آیت شریفہ سے واضح ہوا کہ ''اِنـذار'' خدا کے حکموں سے ڈرانا، اور اس کے احکام کی تبلیغ کرنا، اور مسائل شرعیہ کا بتانا ان لوگوں کا حق ہے جن کو ''تـفـقـه فـي الدين'' یعنی دینی مسائل کی سمجھ حاصل ہو، اور خدا کے حلال وحرام اور اس کی مرضی نامرضی کو جانتے ہوں، اور دوسرے لوگوں کا کام ان کے بتلائے ہوئے احکام کے مطابق عمل کرنا ہے اور حدیث شریف میں وارد ہے:

''نعم الرجلُ الفقيهُ في الدين إن احتيج إليه نفع، وإن استغنى عنه أغنى نَفْسَهٗ''۔ (۲)

''بڑا اچھا ہے وہ شخص جو دین میں فقیہ ہو کہ اس کی طرف حاجت پڑے تو وہ نفع پہنچائے اور اگر اس سے بے نیازی کی جائے تو وہ اپنے آپ کو بے نیاز رکھے۔''

مطلب یہ کہ فقیہ کی شان یہ ہے کہ لوگ اس سے مسئلے پوچھیں تو ان کو نفع ہو اور اگر اس سے استغناء برتیں تو وہ دوسرے کا محتاج نہیں کہ اس کو کسی سے مسئلہ دریافت کرنے کی حاجت ہو۔

۱۔ سورۃ التوبہ: آیت ۱۲۲۔ ۲۔ مشکوٰۃ المصابیح: ص ۳۶۔

علمی اصطلاح میں جو شخص فتویٰ دینے کا اہل ہو اور ادلۂ شرعیہ سے احکام شرعیہ کو نکال سکے وہ فقیہ اور مجتہد کہلاتا ہے اور جس میں یہ اہلیت نہ ہو وہ عامی ہے۔ اس کو چاہیے کہ مجتہد کے قول پر عمل کرے اور اس کی تقلید کرے۔ یہ مسئلہ امت مرحومہ کا اجماعی مسئلہ ہے اور اس میں اہل حق کا کوئی اختلاف نہیں ہے، چنانچہ علامہ محدث ابوالحسن صغیر سندھی مدنی رحمہ اللہ "بهجة النظر شرح نخبة الفكر" میں فرماتے ہیں:

"وقد أجمع الأمة على أن العامي مامور باتباع المفتي مع أنه ربما يخبر عن رأيه۔"(1)

"امت کا اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ عامی کو یہ حکم ہے کہ وہ مفتی کا اتباع کرے، حالانکہ بعض وقت مفتی فتویٰ میں صرف اپنی رائے ہی کا اظہار کرتا ہے۔"

عہد رسالت سے لے کر آج تک امت کا عمل اسی طریق پر ہے، عہد نبوی میں مدینہ منورہ میں تو خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر مسائل معلوم کیا کرتے تھے، لیکن مدینہ منورہ کے علاوہ جو شہر اور بستیاں تھیں، وہاں کے رہنے والے ان حضرات کے فتووں اور فیصلوں پر عمل کرتے تھے، جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں قاضی اور معلم بنا کر بھیجا تھا۔ حضرت میاں نذیر حسین صاحب دہلوی "معیار الحق" میں مولانا حیدر علی صاحب ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ سے ناقل ہیں:

"بر اہل علم مخفی نیست کہ از صحابہ کرامؓ چند صحابہؓ معدود مجتہد بودند و باقی ہمہ مقلد۔"

"اہل علم پر یہ مخفی نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے چند گنے چنے صحابیؓ مجتہد تھے اور باقی سب مقلد۔"(2)

یہ عبارت مولانا حیدر علی صاحب ٹونکی رحمہ اللہ کے اس فتوے کی ہے جس کو میاں صاحب موصوف نے اس تمہید کے ساتھ اپنی کتاب "معیار الحق" میں نقل کر کے مسلم

1- بہجۃ النظر: ص19۔ 2- معیار الحق: ص83۔

رکھا ہے کہ:

''مولانا مغفور نے ۱۲۷۰ھ میں ایک فتویٰ جواب میں کسی سائل کے تحریر فرمایا تھا اور ۱۲۷۱ھ میں مع مواہیر علمائے ٹونک اور دہلی بقالب طبع آیا تھا، وہ بھی نقل کیا جاتا ہے۔'' (۱)

یہ بھی واضح رہے کہ مولانا حیدر علی صاحب ٹونکی رحمہ اللہ کی جلالت علمی کا اعتراف میاں صاحب مرحوم نے ان الفاظ میں کیا ہے:

''مولوی سید حیدر علی مرحوم ساکن قصبہ ٹونک کہ جو بڑے عالم تبحر، جامع معقول اور منقول، شاگرد رشید مولانا شاہ عبد العزیز اور مولانا شاہ رفیع الدین قدس سرہما کے تھے''۔ (۲)

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رضی اللہ عنہ ''قـرة الـعـيـنـيـن فـي تفضيل الشيخين'' میں رقم طراز ہیں:

''صحابہؓ و تابعینؒ ہمہ در یک مرتبہ نبودند، بلکہ بعض ایشاں مجتہد بودند و بعض مقلد، قال الله تعالى: ''لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهُ مِنْهُمْ.''(۳)

''صحابہؓ و تابعینؒ سب ایک مرتبہ کے نہ تھے، بلکہ بعضے ان میں سے مجتہد تھے اور بعضے مقلد، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''ضرور معلوم کر لیتے اس امر کو وہ لوگ کہ جو اس امر کی ان میں سے تحقیق کرنے والے ہیں (معلوم ہوا دوسرے لوگ محقق نہیں، مقلد تھے)۔''

غرض صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے دور میں عام لوگ اپنے اپنے شہر کے فقہاء اور اہل فتویٰ کی تقلید کیا کرتے تھے اور ان ہی کے بتائے ہوئے مسئلوں پر عمل کرتے تھے۔ بعد کو جب تبع تابعین رحمہم اللہ کے دور میں علوم اسلامی کی تدوین شروع ہوئی اور اس سلسلے میں علم فقہ کی تدوین بھی کتابی شکل میں عمل میں آئی تو اس دور کی حکومتوں نے اس کو اپنا دستور العمل بنایا اور عوام وخواص نے اسی فقہ مدوّن پر عمل شروع کر دیا۔ علامہ عز الدین بن عبد السلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

۱- ایضاً: رص ۸۱۔ ۲- ایضاً: رص ۷۹۔ ۳- قرۃ العینین: رص ۲۵۱۔

"إن الناس لم يزالوا من زمن الصحابةؓ إلى أن ظهرت المذاهب الأربعة يقلدون من اتفق من العلماء من غير نكير من أحد."(۱)

"بے شک لوگ صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد سے لے کر چاروں مذہبوں کے شائع ہونے تک ان علماء کی تقلید کرتے رہے جو اُن کو ملتے، اس امر پر کسی نے نکیر نہیں کی۔"

مجتہدین اگرچہ بہت ہوئے ہیں، لیکن حق تعالیٰ نے جو قبول عام ان ائمہ اربعہ امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کو نصیب فرمایا، وہ دوسرے ائمہ کو نصیب نہ ہوا۔ شاہ اسماعیل شہید دہلوی رحمہ اللہ 'صراط مستقیم' میں فرماتے ہیں:

"امامت در ہر کمال عبارت است از حصول مشابہت تامہ بانبیاء اللہ درآں کمال، مثلاً علم باحکام شرعیہ..... پس مشابہ بانبیاء دراں فن ائمہ مجتہدین مقبولین اند، پس ایشاں را از ائمہ فن باید شمرد مثل ائمہ اربعہ، ہر چند مجتہدین بسیار از بسیار گزشتہ اند، فاما مقبول درمیان جمہور امت ہمیں چند اشخاص اند، پس گویا کہ مشابہت تامہ دریں فن نصیب ایشاں گردید، بناءً علیہ درمیان جماہیر اہل اسلام از خواص وعوام بلقب "امام" معروف گردیدند وبقوت اجتہاد موصوف۔"(۲)

"کسی کمال میں امامت کا مطلب یہ ہے کہ اس کمال میں انبیاء اللہ سے مشابہت تامہ حاصل ہوجائے، مثلاً احکام شرعیہ کا علم ہے کہ .... اس فن میں انبیاء علیہم السلام سے مشابہ مجتہدین مقبولین ہی ہیں، لہٰذا ان حضرات کو ائمہ فن میں شمار کرنا چاہیے، جیسے کہ حضرات ائمہ اربعہ رحمہم اللہ ہیں کہ اگرچہ مجتہدین زیادہ سے زیادہ ہوگزرے ہیں، لیکن جمہور امت کے درمیان مقبول یہی چند حضرات ہیں، پس گویا مشابہت تامہ اس فن میں انہی حضرات کے نصیب میں آئی، اسی بنا پر عامہ اہل اسلام کے درمیان چاہے وہ خواص ہوں یا عوام، یہی حضرات "امام" کے لقب سے معروف اور قوت اجتہاد سے موصوف ہیں۔"

۱- عقد الجید: ص۲۹۔ ۲- صراط مستقیم: ص۹۰-۹۱۔

ان حضرات ائمہ اربعہ میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تو تابعی ہیں اور امام مالک رحمہ اللہ تبع تابعی اور امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے تبع تابعین کا زمانہ پایا ہے۔ ان حضرات ائمہ کی فقہ مدون ہونے کے ساتھ ہی امت میں اس پر عمل درآمد شروع ہوگیا اور ان کے عہد سے لے کر آج تک تمام اہل سنت وجماعت ان ہی حضرات کی فقہ کے پیرو ہیں۔ ان حضرات کا اختلاف بھی امت اسلامیہ کے لیے رحمت ہے۔ واضح رہے کہ مجتہد سے اگر کسی مسئلہ میں خطا بھی ہو جائے تو ایک اجر ملتا ہے، ورنہ دوہرا اجر تو اس کا ہے ہی۔ حافظ ابوالمحاسن دمشقی رحمہ اللہ ''عقود الجمان'' میں فرماتے ہیں:

"اعلم رحمك الله أن الأمة المحمدية في جميع بلاد الإسلام من أثناء القرن الثاني إلى زماننا هذا —وهو سنة ثمان وثلاثين وتسع مائة— لايخرج أحد منها إذا كان غير مجتهد عن أن يكون مقلداً لأحد من الأئمة المجتهدين في الفقه لأنهم كلهم على هدىً من الله تعالى."(1)

''تمہیں معلوم ہونا چاہیے۔ اللہ تم پر رحم فرمائے۔ کہ امت محمدیہ میں تمام بلاد اسلامی میں دوسری صدی کے وسط سے لے کر ہمارے اس زمانے تک۔ کہ ۹۳۸ھ ہے۔ کوئی غیر مجتہد شخص ایسا نہیں گزرا کہ جو فقہ میں ائمہ مجتہدین میں سے کسی کا مقلد نہ رہا ہو، کیوں کہ یہ سب حضرات حق تعالیٰ کی طرف سے ہدایت پر تھے۔''

غرض اواخر عہد تبع تابعین سے لے کر آج تک امت اسلامیہ کا سواد اعظم ان ہی مذاہب اربعہ سے وابستہ رہا ہے۔ میاں نذیر حسین صاحب دہلوی رحمہ اللہ بھی ''معیار الحق'' میں مذاہب اربعہ کی تقلید کو مباح قرار دیتے ہیں، چنانچہ ان کے الفاظ ہیں:

''باقی رہی تقلید وقتِ لاعلمی، سو یہ چار قسم ہے: قسم اول واجب ہے اور وہ مطلق تقلید ہے کسی مجتہد اہل سنت کے سے لاعلی التعیین، جس کو مولانا شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے ''عقد الجید'' میں کہا ہے کہ یہ تقلید واجب ہے اور صحیح ہے باتفاق امت.........

۱۔ عقود الجمان: ص ۶۔

قسم ثانی مباح اور وہ تقلید مذہب معین کی ہے، بشرطیکہ مقلد اس تعین کو امر شرعی نہ سمجھے، بلکہ اس نظر سے تعین کرے کہ جب کہ امر اللہ تعالیٰ کا واسطے اتباع اہل ذکر کے عموماً صادر ہوا ہے، تو جس ایک مجتہد کا اتباع کریں گے اسی کی اتباع سے عہدۂ تکلیف سے فارغ ہو جائیں گے اور اس میں سہولت بھی پائی جاتی ہے۔''(۱)

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے اور مذاہب اربعہ پر جمع ہو جانے کی برکت کہ جتنے اساسی گمراہ فرقے نکلے وہ ان چاروں مذاہب پر لوگوں کے جمع ہو جانے سے پہلے پہلے نکلے۔ جب سے لوگوں نے مذاہب اربعہ کی پیروی شروع کی، نئے نئے فرقے بننا بند ہو گئے۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''تاوقتیکہ مردم بر ہر چہار مذہب استوار نشدند وتقلید ایشاں اختیار نہ کردند ہفتاد وچند فرقہ پیدا شدند وبعد از ایشاں تابعان ہمہ فرقہ ہا باقی ماندند ومذاہب دیگر مخترع نگشت۔'' (۲)

جس وقت تک کہ لوگ چاروں مذہب پر پختہ نہ ہوئے تھے اور ان کی تقلید انہوں نے اختیار نہ کی تھی، ستر سے اوپر فرقے پیدا ہوئے اور ان کے بعد تمام فرقوں کے پیرو تو باقی رہے اور دوسرے نئے مذاہب پیدا نہ ہوئے۔''

اہل بدعت، روافض کو ہمیشہ ان مذاہب چہارگانہ کے اختیار کرنے پر اعتراض رہا، چنانچہ ابن مطہر حلی نے ''منہاج الکرامہ'' میں اہل سنت پر یہی اعتراض کیا ہے کہ ان لوگوں نے اپنی طرف سے یہ چار مذاہب نکال لیے ہیں اور حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ''منہاج السنہ'' میں اس رافضی کے اس اعتراض کے متعدد جوابات دیئے ہیں اور شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب ''تحفہ اثنا عشریہ'' کے باب دوم میں روافض کے مکائد کی تفصیل بتاتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''کید ہشتاد وپنجم آں کہ طعن کنند بر اہل سنت وجماعت کہ ایشاں مذہب ابوحنیفہؒ وشافعیؒ ومالکؒ واحمدؒ اختیار می کنند۔''(۳)

۱-معیار الحق: رص ۳۱-۳۲۔ ۲-فتاویٰ عزیزی: ۱/۱۶۵۔ ۳-تحفہ اثنا عشریہ: رص ۱۰۹۔

''رافضیوں کا پچاسی واں فریب یہ ہے کہ اہل سنت و جماعت پر طعن کرتے ہیں کہ یہ لوگ ابو حنیفہ، شافعی و مالک اور احمد رحمہم اللہ کا مذہب اختیار کرتے ہیں۔''

اور پھر اس طعن کا اس طرح جواب دیتے ہیں:

''جواب ایں کید آں کہ نبی صاحب شریعت است نہ صاحب مذہب، زیرا کہ مذہب نام راہے است کہ بعض اُمتیاں را در فہم شریعت کشادہ شود و بعقل خود چند قاعدہ قرار دہند کہ موافق آں قواعد استنباطِ مسائل شرعیہ از ماخذ آں نمایند و لہٰذا محتمل صواب و خطا می باشد و لہٰذا مذہب را بسوئے خدا و جبریل و دیگر ملائکہ نسبت کردن کمال بے خردیست۔''(۱)

''اس کید کا جواب یہ ہے کہ نبی صاحب شریعت ہوتا ہے نہ کہ صاحب مذہب، کیونکہ مذہب تو اس راہ کا نام ہے جو بعض امتیوں پر فہم شریعت کے سلسلے میں کھلتی ہے اور پھر وہ اپنی عقل سے چند قاعدے مقرر کرتے ہیں، ان قواعد کے مطابق شرعی مسائل ان کے ماخذ (کتاب و سنت و اجماع و قیاس) سے نکالتے ہیں اور اس لیے مسائل کے نکالنے میں خطا اور صواب دونوں کا احتمال ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ خدا، جبریل، ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کی طرف مذہب کی نسبت کرنا نہایت بے وقوفی ہے۔ (چنانچہ اللہ و رسول کا دین کہتے ہیں، اللہ و رسول کا مذہب نہیں کہتے)۔''

اس کے بعد فرماتے ہیں:

''مقلد را در اتباعِ شریعتِ پیغمبر از توسیط مجتہد ناگزیر است..... پس اہل سنت را در اتباعِ ابو حنیفہؒ و شافعیؒ چہ گناہ لازم آمد۔''(۲)

''مقلد کو پیغمبر کی شریعت پر چلنے کے لیے مجتہد کے واسطے کے بغیر چارہ نہیں.... پس اہل سنت پر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کی اتباع کرنے میں کیا گناہ لازم آ گیا۔''

ہندوستان میں بھی جن لوگوں نے تقلید مجتہدین اور مذاہب اربعہ کے اختیار کرنے پر انکار کیا ہے، وہ روافض ہی کی تقلید کا اثر ہے، چنانچہ گزشتہ صدی میں مولوی عبدالحق بنارسی المتوفی: ۱۲۸۶ھ نے اس سلسلہ میں بڑا سخت فساد برپا کیا تھا، جس کی وجہ

۱- تحفہ اثنا عشریہ: ص ۱۰۹۔ ۲- ایضاً: ۱۱۱۔

سے ہندوستان کے عام مسلمانوں میں سخت انتشار پیدا ہوگیا تھا، یہ مولوی صاحب بھی ایک زمانہ میں تشیع کا شکار رہ چکے ہیں، چنانچہ نواب صدیق حسن خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ ''سلسلة العسجد في ذكر مشائخ السند'' میں ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''دراواسط عمر بعض تزلزل دصر عقائد ایشاں ومیل بسوئے تشیع وجزء اں معرف است۔''(۱)

''اپنی عمر کے درمیانی حصہ میں کچھ تزلزل ان کے عقائد میں اور تشیع وغیرہ کی طرف ان کا میلان مشہور ہے۔''

یہی زمانہ ہے جب موصوف نے ''الدر الفريد في المنع عن التقليد'' لکھی تھی جس کا جواب مولانا تراب علی صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''سواء الطريق'' لکھ کر مولوی عبدالقادر سندیلی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے چھپوایا تھا، اسی زمانہ میں شیخ احمداللہ بناری رحمۃ اللہ علیہ نے حرمین شریفین کا سفر کیا تھا اور ۱۲۵۷ ہجری میں وہاں کے علماء سے تقلید مجتہدین کے بارے میں فتاویٰ حاصل کیے تھے اور ان سے ایک سال پہلے منشی حسن علی بناری رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۲۵۶ ہجری میں علمائے حرمین شریفین سے اسی سلسلہ میں استفسار کیا تھا۔ یہی وہ فتاویٰ ہیں جو''تنبيه الضالين وهداية الصالحين'' کے نام سے اسی زمانہ میں طبع ہوئے تھے اور پھر متعدد باران کی طباعت عمل میں آئی۔

مولوی عبدالحق بناری کے متعلق مولانا سید عبدالحی حسنی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی: ۱۳۴۱ھ) نے اپنی کتاب 'معارف العوارف في أنواع العلوم والعارف' میں -جو'الشقافة الإسلامية في الهند'' کے نام سے دمشق سے ۱۳۷۷ھ میں شائع ہوئی ہے- جو اظہار خیال فرمایا ہے وہ درج ذیل ہے، فرماتے ہیں:

''ومنهم من سلك مسلك الإفراط جداً وبالغ في حرمة التقليد وجاوز عن الحد، بدع المقلدين وأدخلهم في أهل الأهواء، ووقع في أعراض الأئمة لاسيما الإمام أبي حنيفة وهذا مسلك الشيخ عبد الحق بن

۱-سلسلة العسجد: ص ۳۶۔

فضل اللّٰہ البنارسی والشیخ عبد اللّٰہ الصدیقی الإلٰہ آبادی وغیرھما.‘‘[1]

’’اوران میں سے بعض لوگ وہ ہیں جنہوں نے سخت زیادتی کا راستہ اختیار کیا، تقلید کی حرمت میں مبالغہ سے کام لے کر حد سے بڑھ گئے، مقلدین کو بدعتی ٹھہرایا اوران کو اہل ہوا میں داخل کیا اورائمہ کی اہانت کی، خصوصاً امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی، شیخ عبدالحق بن فضل اللہ بناری اور شیخ عبداللہ صدیقی الہ آبادی وغیرہ کا یہی طریقہ ہے۔‘‘

سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ بناری کے بارے میں جو رائے ظاہر کی ہے، اس سے ناظرین بناری صـ ـبـ کی کارگزاری کا پوری طرح اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو افراط وتفر ت بچ ئے ـو اللّٰہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

(بشکریہ بینات، ربیع الثانی ۱۴۳۷ھ۔ فروری ۲۰۱۶ء)

۱۔ معارف العوارف: ص۱۰۲۔

اشاریہ

☆ آیاتِ قرآنیہ

☆ احادیثِ مبارکہ

☆ اسماء الرجال والنساء

☆ اسماء اماکن

☆ اسماء کتب

☆ مصادر ومراجع

آیاتِ قرآنیہ

احادیث

اسماء رجال

﴿ا﴾

﴿ب﴾

﴿ت﴾

﴾ث﴿

﴾ج﴿

﴾ح﴿

﴿خ﴾

﴿د﴾

﴿ذ﴾

﴿ر﴾

﴿ز﴾

﴿ص﴾

﴿ط﴾

﴿ع﴾

﴿ن﴾

﴿نساء﴾

کتابوں کے نام

اسماءِ اماکن

مصادر ومراجع

﴿ ا ﴾

۱۔ ارشاد طلاب الحقائق الی معرفۃ سنن خیر الخلائق: نووی، المدینۃ المنورۃ، مکتبۃ الایمان طبعۃ ۱۴۰۸ھ

۲۔ احکام القرآن جصاص، مصر، ۱۳۴۷ھ۔

۳۔ اخبار ابی حنیفہ واصحابہ: صیمری، بیروت، عالم الکتاب طبعۃ ۱۴۰۵ھ۔

۴۔ اسلامی کتب خانے عہد عباسی میں: تالیف راقم السطور، لاہور، الفیصل ناشران و تاجران کتب، ۲۰۰۰ء۔

۵۔ اصول الدین: عبد القادر البغدادی، استانبول، مطبعۃ الدولۃ ۱۳۴۶ھ۔

۶۔ اصول السرخسی، مصر، دار الکتاب العربی، ۱۳۷۲ھ۔

۷۔ اصول الفقہ جصاص تحقیق محمد ناصر، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۰ھ۔

۸۔ اعلام الموقعین عن کلام رب العالمین: ابن القیم الجوزیہ، بیروت، دار الجیل۔

۹۔ اقوام المسالک فی بحث روایۃ مالک وروایۃ ابی حنیفۃ عن مالک: محمد زاہد الکوثری، طبعہ ۱۴۰۸ھ۔

۱۰۔ اکمال المعلم بفوائد مسلم: قاضی عیاض، تحقیق یحیی اسماعیل، المنصورۃ، طبعۃ، دار الوفاء، ۱۴۱۹ھ۔

۱۱۔ الاجتہاد فی الشریعۃ الاسلامیہ وبحوث اخری: ادارۃ الثقافۃ والنشر بالجامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ ۱۴۰۴ھ۔

۱۲۔ الاحکام فی اصول الاحکام: ابن حزم، القاہرۃ، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، طبعۃ ۱۳۴۷ھ۔ (ولہ) الرسالۃ الثالثۃ، اصحاب الفتیا من الصحابۃ ومن بعدہم علی مراتبہم فی کثرۃ الفتیا: تحقیق سید حسن کردی، بیروت، دار الکتب العلمیہ، طبعۃ ۱۳۵۱۔

۱۳۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ: لابن حجر، مصر، مطبعۃ السعادۃ، ۱۳۲۸ھ۔

۱۴۔ البحر المحیط: زرکشی: کویت، دار الصفوۃ، ۱۴۱۳ھ۔

۱۵۔ الانتقاء فی فضائل الثلاثۃ الفقہاء: ابن عبد البر: مصر، مکتبۃ القدسی، ۱۹۳۰ء۔

۱۶۔ الانساب: التعلیق، عبد اللہ عمر البارودی، بیروت، مرکز الخدمات والابحاث الثقافیہ، طبعۃ ۱۴۰۸۔

۱۷۔ الانصاف فی بیان سبب الاختلاف: شاہ ولی اللہ دہلوی: لاہور، ہیئۃ الاوقاف بحکومۃ البنجاب، ۱۹۷۱ء۔

۱۸۔ الجامع لأحکام القرآن: قرطبی، القاہرہ، مطبعۃ دار الکتب المصریہ، ۱۹۳۹

۱۹۔ الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ: ابن ابو الوفاء: حیدر آباد دکن، مطبعۃ دائرۃ المعارف النظامیہ، ۱۳۳۲ھ۔

۲۰۔ الحاوی للفتاوی، سیوطی بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء۔ (لہ) الکنز المدفون فی الفلک المشحون۔

۲۱۔ الرسالہ: امام الشافعی، تحقیق خالد السبع العلی، زہیر شفیق الکبی بیروت، دار الکتاب العربی، ۱۴۲۱ھ

۲۲۔ الطبقات الکبریٰ: ابن سعد: بیروت، دار صادر، طبعۃ ۱۳۷۶ھ۔

۲۳۔ الفہرست: ابن ندیم تحقیق رضا تجدد، کراچی، نور محمد اصح المطابع، ۱۹۹۰ء۔

۲۴۔ الکامل فی ضعفاء الرجال: عبد اللہ بن عدی الجرجانی، بیروت، دار الفکر۔

۲۵۔ الکفایہ فی علم الروایہ: خطیب: حیدرآباد دکن، دائرۃ المعارف العثمانیہ، ۱۳۵۷۔
۲۶۔ المحدث الفاصل بین الراوی والواعی: للرامہرمزی: بیروت، دار الفکر ۱۴۰۴ھ۔
۲۷۔ المحرر فی اصول الفقہ: للامام السرخسی۔ بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ۔
۲۸۔ المستدرک علی الصحیحین: حاکم، ومعہ تلخیص الذہبی وکتاب الدرک لتخریج المستدرک
: ابن حجر: بیروت، دار المعرفہ، ۱۹۵۸ء۔
۲۹۔ المصنف لابن ابی شیبہ: کراچی ادارۃ القرآن والعلوم اسلامیہ، ۱۴۰۶ھ۔
۳۰۔ المصنف لابی بکر عبدالرزاق: بیروت، المکتب الاسلامی ۱۳۹۱ھ۔
۳۱۔ المقنع فی علوم الحدیث: ابن الملقن، مکہ، دار فواز النشر، ۱۴۱۳ھ۔
۳۲۔ الوصول الی قواعد الاصول: محمد بن عبداللہ التمر تاشی الغزی الحنفی، طبعہ، بیروت
دار الکتب العلمیہ ۱۴۱۶ھ۔

﴿ب﴾

۳۳۔ بذل المجہود فی حل ابی داؤد: شیخ خلیل احمد، معہ التعلیقات شیخ محمد زکریا الکاندھلوی،
کراچی، طبعہ، معہد الخلیل الاسلامی ۱۳۹۳ھ۔
۳۴۔ بصائر ذوی التمیز فی لطائف الکتاب العزیز: مجد الدین الفیروزآبادی، القاہرہ،
لجنہ، احیاء التراث الاسلامی، ۱۳۸۵ھ
۳۵۔ بہجۃ النظر شرح نخبۃ الفکر: ابوالحسن صغیر سندھی مدنی، مطبع لاہوری، ۱۳۰۹ھ۔

﴿ت﴾

۳۶۔ تاریخ الاسلام: ذہبی: تحقیق بشار عواد، دار الغرب الاسلامی طبعہ اولی۔
۳۷۔ تاریخ الثقات: عجلی: طبع ۱۴۰۵ھ۔

۳۸۔ تاریخ بغداد: خطیب بغدادی، بیروت، دار الکتب العربی طبعہ ۱۴۰۷۔

۳۹۔ تبییض الصحیفہ، سیوطی، طبع دائرۃ المعارف النظامیہ ۱۳۳۴ھ۔

۴۰۔ تحفہ اثنا عشریہ: شاہ عبدالعزیز، طبعہ، نول کشور لکھنؤ ۱۳۰۲ھ۔

۴۱۔ تخریج احادیث اصول البزدوی: حافظ قاسم ابن قطلوبغا، کراچی، نور محمد ۱۳۸۲ھ، یہ اصول البزدوی کے ساتھ شائع کی گئی ہے۔

۴۲۔ تدریب الراوی فی شرح التقریب النووی: سیوطی، تحقیق عبدالرؤف عبداللطیف، بیروت، دار الکتب الحدیث، ۱۳۸۰۔

۴۳۔ تذکرۃ الحفاظ: ذہبی دار احیاء تراث العربی، طبع ۱۹۵۵ء۔

۴۴۔ ترجمہ مسلم: وحید الزمان۔

۴۵۔ تعجیل المنفعہ بزوائد رجال الائمۃ الاربعہ: ابن حجر عسقلانی، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۶ھ۔

۴۶۔ تفسیر القرآن العظیم، مصر، مصطفیٰ البابی، ۱۳۵۶ھ۔

۴۷۔ تہذیب الکمال: مزی، بیروت، دار الفکر، طبعہ ۱۴۱۴ھ۔

۴۸۔ تہذیب التہذیب: ابن حجر العسقلانی: بیروت، دار الفکر، طبعہ ۱۴۰۴ھ۔

﴿ج﴾

۴۹۔ جامع المسانید خوارزمی، حیدر آباد دکن، ۱۳۳۲ھ۔

۵۰۔ جامع الترمذی: دہلی، مطبع احمدی، ۱۲۶۶ھ۔

۵۱۔ جامع بیان العلم وفضلہ: ابن عبد البر، المکتبۃ العلمیۃ بالمدینۃ المنورۃ۔

﴿د﴾

۵۲۔ حجۃ اللہ البالغہ: شاہ ولی اللہ دہلوی، کراچی، قدیمی کتب خانہ۔

۵۳۔ حلیۃ الاولیاء و طبقات المحدثین: ابو نعیم الاصفہانی، تحقیق مصطفیٰ عبد القادر عطا، بیروت دار الکتب العلمیہ۔

﴿ر﴾

۵۴۔ رسالۃ فی الرواۃ الثقات المتکلم فیہم بما لا یوجب ردہم: ذہبی، کراچی، الرحیم، اکیڈمی، ۱۴۱۲ھ۔

۵۵۔ رفع الملام عن الائمۃ الأعلام: ابن تیمیہ الجوزی، دمشق، ۱۹۴۰۔

﴿ز﴾

۵۶۔ زاد المعاد: ابن القیم الجوزیہ، بیروت، مکتبہ، المنار الاسلامیہ

﴿س﴾

۵۷۔ سلسلۃ العسجد فی ذکر مشائخ السند: صدیق حسن خان، طبع بھوپال ۱۲۹۲ھ۔

۵۸۔ سنن ابن ماجہ: تحقیق بشار عواد، بیروت، طبعۃ، دار الجیل، ۱۴۱۸ھ۔

۵۹۔ سنن ابو داؤد: تحقیق محمد عوامہ، بیروت، طبعۃ، موسسۃ الریان، ۱۴۲۵ھ۔

۶۰۔ سنن الترمذی: تحقیق بشار عواد، بیروت، مطبعۃ، دار الغرب الاسلامی ۱۹۹۸۔

۶۱۔ سنن الدار قطنی بیروت، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، ۱۴۱۴ھ۔

۶۲۔ سنن الدارمی: تحقیق سید ابراہیم وعلی محمد علی، قاہرہ، طبعۃ، دار الحدیث، ۱۴۲۰ھ۔

۶۳۔ سنن الکبری: بیہقی، ملتان، نشر السنۃ۔

۶۴۔ سنن نسائی: دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔

۶۵۔ سیر اعلام النبلاء: ذہبی تحقیق شعیب الأرنووط، بیروت، موسسۃ الرسالۃ، طبعۃ ۱۴۰۴ھ۔

﴿ش﴾

۶۶۔ شذرات الذہب فی اخبار من ذہب: ابن العماد الحنبلی: بیروت، دار احیاء التراث العربی۔
۶۷۔ شرح فتح القدیر: ابن ہمام،
۶۸۔ شرح معانی الاثار: طحاوی کتاب الزکوۃ باب الخیل السائمۃ، کراچی ایچ ایم سعید۔
۶۹۔ شرح نخبۃ الفکر: ابن حجر العسقلانی، الرحیم اکیڈمی، کراچی ۱۴۲۱۔

﴿ص﴾

۷۰۔ صحیح ابن خزیمۃ: بیروت المکتب الاسلامی ۱۴۱۲ھ۔
۷۱۔ صحیح البخاری: تحقیق وتخریج یوسف الحاج احمد، دمشق الشام، مطبعۃ دار العلم الجدیث۔
۷۲۔ صحیح المسلم: تحقیق شیخ مامون شیحا، بیروت، مطبعۃ، دار المعرفۃ، ۱۴۲۳۔
۷۳۔ صراط مستقیم: شاہ اسماعیل، مطبع مظہری کلکتہ، ۱۲۶۵ھ۔

﴿ط﴾

۷۴۔ طبقات الفقہاء: شیرازی، بغداد، المکتبۃ العربیۃ، ۱۳۵۶ھ۔

﴿ع﴾

۷۵۔ عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید: شاہ ولی اللہ دہلوی، طبع مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۴۴
۷۶۔ عقود الجمان: ابو المحاسن دمشقی، طبع حیدر آباد دکن، ۲۳۹۴ھ۔

﴿ف﴾

۷۷۔ فتاویٰ عزیزی: شاہ عبدالعزیز، دہلی مطبع مجتبائی، ۱۳۴۱ھ۔

۷۸۔ فتح الغفار بشرح المنار: ابن نجیم، مصر، طبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۵۵ھ۔

۷۹۔ فتح القدیر الجامع بین فنی الروایۃ والدرایۃ من علم التفسیر شوکانی، مصر، مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۴۹ھ۔

﴿ق﴾

۸۰۔ قواطع الادلۃ فی الاصول: منصور بن احمد السمعانی، تحقیق محمد حسن، مکہ، عباس احمد الباز۔

﴿ک﴾

۸۱۔ کتاب الثقات: ابن حبان، بیروت، دار الفکر، ۱۴۱۰ھ۔

۸۲۔ کتاب الضعفاء الکبیر: محمد بن عمرو العقیلی، بیروت، دار الکتب العلمیہ۔

۸۳۔ کتاب العلل و معرفۃ الرجال، احمد بن حنبل، استانبول، المکتبۃ الاسلامیہ، ۱۹۸۷ء۔

۸۴۔ کتاب اللمع: ابو اسحاق شیرازی الشافعی، تحقیق محی الدین دیب مستو و یوسف علی بدیوی، دار ابن کثیر، ط ۱۴۱۶/۱۹۹۵۔

۸۵۔ کتاب اللمع فی اصول الفقہ، مصر، مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۹۳۹ء

۸۶۔ کتاب المدہش: ابن الجوزی، بیروت، عباس احمد الباز۔

۸۷۔ کتاب المعین فی طبقات المحدثین: عمان، دار الفرقان، ۱۹۸۴ء۔

۸۸۔ کشاف اصطلاحات الفنون، لاہور، سہیل اکیڈمی ۱۹۹۲۔

۸۹۔ کشف الاسرار علی اصول فخر الاسلام البزدوی: کراچی الصدف پبلشرز۔

۹۰۔ کنز الوصول الی معرفۃ الاصول بلبزدوی، کراچی، اصح المطابع، ۱۳۸۶ھ

﴿م﴾

۹۱۔ ما تمس الیہ الحاجہ لمن یطالع سنن ابن ماجہ: عبدالرشید النعمانی، کراچی، طبع نور محمد۔

۹۲۔ مجموعہ فتاویٰ: شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ، الریاض۔ ۱۳۹۳ھ

۹۳۔ مختصر الطحاوی: احمد بن محمد الطحاوی، القاہرہ، دار الکتاب العربی، ۱۳۷۰ھ۔

۹۴۔ مسند ابوداؤد طیالسی: تحقیق محمد حسن محمد حسن اسماعیل، بیروت، دار الکتب العلمیۃ ۲۰۰۴۔

۹۵۔ مسند احمد: بیروت، طبعۃ، مؤسسۃ الرسالہ ۱۴۲۹ھ۔

۹۶۔ مشکوٰۃ المصابیح: فراء البغوی، کراچی، قدیمی کتب خانہ۔

۹۷۔ معارف العوارف فی العلوم والعوارف: عبدالحئ لکھنوی، دمشق ۱۳۷۷ھ۔

۹۸۔ معالم السنن: خطابی، بیروت، دار الکتب العلمیہ ۱۴۱۶ھ۔

۹۹۔ معرفۃ علوم الحدیث: حاکم، التعلیق، سید معظم حسین، قاھرہ، دار الکتب المصریہ۔

۱۰۰۔ معیار الحق: نذیر حسین دہلوی، طبع، مطبع رحمانی دہلی، ۱۳۳۷ھ۔

۱۰۱۔ مقدمہ ابن الصلاح ومحاسن الاصطلاح: القاہرہ، دار المعاد طبع ۱۳۶۱ھ۔

۱۰۲۔ مقدمہ الجرح، والتعدیل: رازی، مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن، طبعۃ ۱، ۱۳۷۱ھ

۱۰۳۔ مقدمۃ کتاب التعلیم: مسعود بن شیبہ السندیؒ، حیدر آباد السند، لجنۃ احیاء الادب السندی، ۱۹۶۵ء۔

۱۰۴۔ مکانۃ الامام ابی حنیفۃ فی الحدیث: محمد عبدالرشید النعمانی، دار البشائر الاسلامیہ، ۱۴۱۵ھ۔

۱۰۵۔ مناقب الامام ابی حنیفہ وصاحبیہ: ذہبی، مصر، دار الکتاب العربی، ۱۳۶۶ھ۔

۱۰۶۔ مناقب الامام الاعظم لصدر الائمہ، موفق بن احمد المکی، کوئٹہ، مکتبہ اسلامیہ، ۱۴۰۷ھ

۱۰۷۔ میزان الکبریٰ، مصر، شعرانی، المطبعۃ الحسینیہ، ۱۳۳۱ھ۔

۱۰۸ میزان الاعتدال: ذھبی، تحقیق علی محمد البجاوی وفتحیۃ علی البجاوی، طبعۃ دار الفکر العربی

﴿ن ۔ و﴾

۱۰۹۔ نیل الاوطار: شوکانی، تحقیق، عصام الدین الصبابطی، قاہرہ، دار الحدیث۔

۱۱۰۔	وفیات الاعیان: لابن خلکان، تحقیق احسان عباس، بیروت، دار صادر

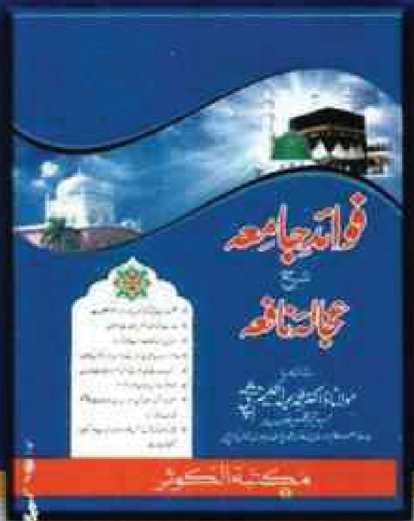
صحت نامہ

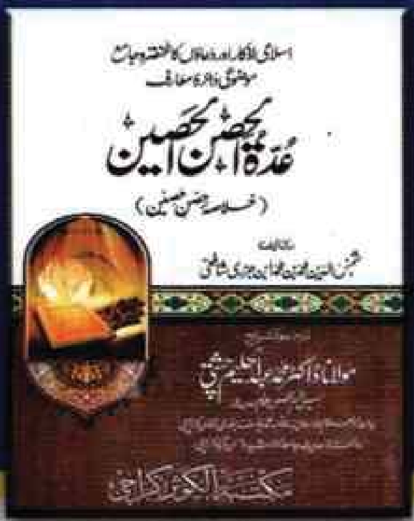
صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط	درست
ص ۵	س ۲	یزید بن حبیب مصری	یزید بن ابی حبیب مصری
ص ۸	س ۱۶،۱۵	کہ	کے
	۱۹،۱۸		
ص ۸	س ۱۳	اس ادائیگی	اس قرض کی ادائیگی
ص ۹	س ۱	کہ	کے
ص ۹	س ۲	حوالہ نمبر (۱)	صحیح ترمذی ۱۹۳/۱، باب ما جاء فی الغسل
ایضاً	س ۵	اس کی عباس کا اس خوبی	اس کی عباس خوبی
ص ۱۷	س ۶	صحابہ کرام گذر کر	صحابہ کرام سے گذر کر
ایضاً	س ۹	پہلا سبب یہ ہے	پہلا سبب یہ ہے کہ
ص ۲۲	س ۱۹	حضرت ابو سعید خدریؓ روایت ہے کہ	حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ
ص ۲۵	س ۱۵،۱۳	کہ	کے
ص ۲۲	س ۲۳	حوالہ نمبر (۳)	حوالہ (۲)
ص ۲۳	س ۵	رنگ روپ کا پہلو	رنگ و روپ کو پہلو
ص ۲۶	س ۳۲	کا نزول ہے	کا نزول کرتے ہے
ص ۳۳	س ۱۰	علامہ ابن قیم الجوزیہ (۵۱ےھ، ۱۹۶ء)	علامہ ابن قیم الجوزیہ (۷۵۱ھ، ۱۳۵۰ء)
ص ۴۹	س ۶	آکثر بن عشرین	آکثم بن عشرین
ص ۴۳	س ۲	صحابہ کرام ے	صحابہ کرام سے
ص ۵۲	س ۳۰	امام ابو بکر ابو الجصاص	امام ابو بکر الجصاص
ص ۵۲	س ۳۰	المعترضین	المعترضین ۱
ایضاً	س ۲۱	عبداللہ بن مسعودؓ روایتی معیار	عبداللہ بن مسعودؓ کا روایتی معیار
ص ۷۰	س ۱۹	یہاں امر ملحوظ خاطر	یہاں یہ امر ملحوظ خاطر رہے
ص ۱۰۴	س ۱۳	اس نے امام ابو حنیفہؒ سے پوچھا	انہوں نے امام ابو حنیفہؒ سے پوچھا
ص ۱۰۷	س ۶	کسی کا میں کسی کا متبع و مقلد نہیں	میں کسی کا مقلد نہیں
ص ۱۱۰	س ۱۳	حوالہ نمبر (۲)	اصول الجصاص ۱۲۰/۲
ص ۱۱۳	س ۱۸	حوالہ نمبر (۴)	یہ حاشیہ اگلے صفحے پر ہے
ص ۱۲۳	س ۱۷	حافظ ابو العباس احمد مقدمہ	حافظ ابو العباس احمد بن مقدمہ

نوٹ: صفحات کو ترتیب دیتے ہوئے ایک نمبر آگے کے صفحے کا لگ گیا ہے لہذا قارئین پچھلے صفحے کے حساب سے عنوان اور فہرست نمبر تلاش کریں۔

مزید اس کے علاوہ جہاں کہیں کمپوزنگ کی غلطی پائی جائے تو قارئین سے گزارش ہے کہ اس پر ناشر کو مطلع کر دیں تا کہ اگلے ایڈیشن میں ان غلطیوں کو درست کر دیا جائے۔ جزاکم اللہ خیرا۔

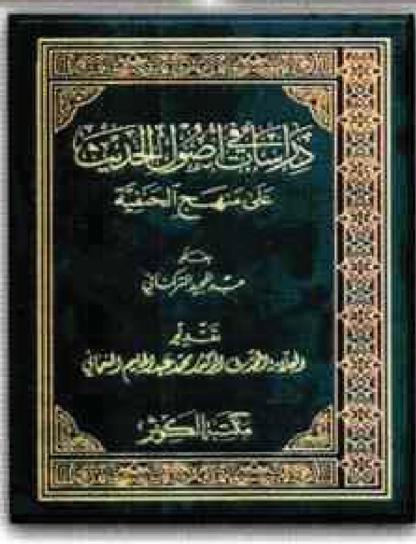
مکتبۃ الکوثر کی دیگر مطبوعات











الناشر
مکتبۃ الکوثر